احمدی خواتین کے صبر و استقامت اور عظیم الشان قربانیوں کی دلگداز داستانیں

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کے مستورات سے خطابات بر موقع جلسہ سالانہ سے انتخاب

خطاب 30 جولائی 1994ء

جلسہ سالانہ خواتین UK

آپ نے بارہا ان مردوں کے قصے سنے ہیں۔ وہ تذکرے سنے جنہوں نے خدا کی محبت میں اسی کے پیار میں ہر مصیبت اٹھائی۔

آج کا دن ان خواتین کے لئے وقف ہے جنہوں نے خدا کی محبت میں ہر مصیبت اٹھائی اور خواتین ہی کے ذکر پر یہ تمام تقریر وقف رہے گی۔ لیکن ذکر بہت لمبا ہے وقت تھوڑا ہے۔ کچھ واقعات تو میں بیان کر سکوں گا بقیہ آئندہ کے لئے اٹھا رکھوں گا۔

واقعہ یہ ہے کہ جب بھی احمدیوں کے خلاف مظالم کی نئی تحریکات شروع ہوئیں مردوں کی قربانیوں کے ذکر تو عموماً ملتے ہیں لیکن عورتوں نے جو اپنی آنکھوں حال دیکھا، جو ان کے دل پر گزری، اس کے تذکرے پوری وضاحت کے ساتھ پوری تفصیل کے ساتھ ہمارے ہاں محفوظ نہیں۔ چنانچہ میں نے صدر لجنہ اماء اللہ پاکستان سے درخواست کی کہ وہ خصوصیت سے 1974ء کے واقعات سے متعلق ان خواتین سے پوچھیں جو خدا کے فضل سے آج بھی زندہ موجود ہیں، جن کے گھروں پر یہ مظالم کی داستانیں گزری ہیں۔ جنہوں نے اپنی آنکھوں سے اپنے خاوندوں اپنے بھائیوں، اپنے بچوں کو شہید ہوتے دیکھا۔ جن کے گھر جلائے گئے۔ جن کے سروں سے چادریں اتار دی گئیں۔ جو خاکستر گھروں کو چھوڑ کر بغیر کسی ساز و سامان کے یہاں تک کہ بغیر جوتیوں کے پیدل گھروں سے نکلیں۔ ان کے دلوں پر کیا گزری تھی اور ان پر خود ان پر ایمان کی کیسی کیسی آزمائشیں آئیں اور کس طرح وہ ثابت قدم رہیں۔ یہ واقعات محترمہ صدر صاحبہ لجنہ اماء اللہ پاکستان نے بڑی محنت سے اکٹھے کروائے ہیں اور ان کی صحت کے متعلق بھی بہت احتیاط برتی گئی ہے۔...... جب میں سرسری نظر سے ان کو پڑھ رہا تھا تو دل کی کیفیت یہ تھی ؎

رو کے ہوئے ہیں ضبط و تحمل کی قوتیں
رگ رگ پھڑک رہی ہے دل ناصبور کی

ان کا پڑھنا اتنا دوبھر تھا تو تصور کریں کہ وہ لوگ جو ان واقعات میں سے گزر رہے ہیں، وہ خواتین ان کا کیا حال ہوا ہوگا۔ مختلف نوعیت کے واقعات ہیں میں ان میں سے چند آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

عائشہ بی بی اہلیہ مہر دین صاحب آف گوجرانوالہ بیان کرتی ہیں کہ 1974ء میں جب گوجرانوالہ کے حالات خراب ہوئے تو میرے بیٹے منیر احمد کا ایک غیر احمدی دوست آیا اور کہنے لگا کہ صبح بہت خطرہ ہے۔ راتوں رات کہیں چلے جائیں۔ میرے بیٹے نے کہا ہمیں کہیں جانے کی اجازت نہیں۔ ہم یہیں رہیں گے۔ میرے بیٹے بشیر نے مجھے اور میری بیٹی جمیلہ کو اپنے دوست کے گھر بھجوا دیا۔ بیان کرتی ہیں کہ میں نے عام حالات میں اپنے بیٹوں کو آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔ لیکن اس دن بیٹوں کو اس قدر خطرناک حالات میں بے فکری سے چھوڑ کر چلی گئی اس بات سے بے خبر کہ نہ جانے بیٹوں کے ساتھ کیا ہوگا۔ یہ اللہ کا فضل تھا جو اس نے مجھے حوصلہ عطا فرمایا۔ صبح جلوس نے حملہ کر دیا۔ میرے بیٹے تمام دروازے مقفل کر کے چھت کے اوپر چلے گئے جہاں پہلے بھی پانچ آدمی موجود تھے۔ ہجوم نے پتھراؤ کیا۔ بچے چھت پر ادھر ادھر بھاگتے، اپنے بچاؤ کی کوشش کرتے رہے۔ لیکن کوئی بچنے کی صورت نہیں تھی۔ بارش کی طرح پتھر ہر طرف سے برس رہے تھے۔ جو قریب کے اونچے کوٹھے تھے وہاں سے بھی پتھراؤ ہو رہا تھا۔ وہ پچھلی گلی میں اترے تاکہ وہاں سے باہر نکل جائیں لیکن وہاں بھی ہجوم تھا۔ انہوں نے نیچے اترتے ہی ان پر حملہ کر دیا اور ڈنڈوں اور پتھروں سے مار مار کر میرے دونوں بیٹوں کو شہید کر دیا اور انہیں اینٹوں اور پتھروں کے ڈھیروں کے نیچے دبا دیا۔ اس موقع پر میرے بیٹے منیر احمد اور بشیر احمد کے علاوہ سعید احمد منظور احمد، محمود احمد اور احمد علی قریشی بھی وہیں شہید ہوئے۔ سبھی کو ڈنڈوں اور پتھروں سے مار مار کر شہید کیا گیا۔

آپ بیان کرتی ہیں کہ اس قیامت کے گزرنے کا علم جب مجھے ہوا تو کچھ دیر کے لئے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔ لیکن گھر والوں نے رونے نہیں دیا کہ ہمارے رونے کی آواز باہر نکلے گی۔ حالت ناقابل بیان تھی۔ اس وقت تو مجھے کچھ علم نہ تھا کہ میرے بیٹوں نے کیسے جان دی اور ان پر کیا گزری۔ بعد میں معلوم ہوا کہ بڑے ظالمانہ اور سفاکانہ طریق پر انہیں مارا گیا۔ ہمارا ہنستا بستا گھر اجڑ چکا تھا۔ بڑا کڑا امتحان تھا۔ دل و دماغ میں غموں کا ایک طوفان تھا۔ آنسو زار و قطار بہہ رہے تھے لیکن اونچی آواز سے کچھ کہنے سننے کی اجازت نہیں تھی۔ کہتی ہیں بعد میں حالات تبدیل ہوئے تو اس گھر میں رہنے کو دل نہ چاہتا تھا لیکن مجبوری حالات ہمیں پھر اس ویرانے میں لے آئی پہلے ہی بہت غمزدہ تھے۔ دوسرا اہل محلّہ نے ہمارا بائیکاٹ کر دیا۔ یہ ان کی تعزیت تھی۔ دکانداروں نے سودا سلف دینا بند کر دیا۔ تمام اشیاء بہت دور سے جا کر لاتے۔ اہل محلّہ ہمیں دیکھ کر راستہ بدل لیتے۔ ان حالات سے ہمیں اور بھی اذیت پہنچتی لیکن ہم نے صبر کا دامن نہ چھوڑا۔ یہ تو ہم سے غیروں کا سلوک تھا۔ لیکن اپنے عزیز رشتہ دار جو غیر احمدی تھے انہوں نے بھی قطع تعلق کر لئے اور بار بار ہمیں پیغام بھیجتے رہے کہ مذہب چھوڑ دو اسی کی وجہ سے تمہاری ساری بربادی ہے۔ لیکن ہم نے کہا کہ جو قربانیاں ہمارے پیاروں نے مذہب کی خاطر دی ہیں ہم کسی قیمت پر بھی ان کی قربانیوں کو ضائع نہیں ہونے دیں گے۔

سید احمد علی صاحب کی بیٹی نفیسہ لکھتی ہیں کہ گوجرانوالہ میں بپھرے ہوئے ہجوم اور جلوس نے بہت تباہی مچائی۔ گھروں کو جلایا۔ پتھراؤ کیا۔ اس فساد میں ہم چار بہنیں اور امی جان حیران و پریشان چھت پر چڑھیں تو اچانک جلوس کی ایک ٹولی ہمارے گھر کی طرف بڑھی اور کہنے لگی یہ مرزائیوں کے مربی کا گھر ہے پہلے اسے آگ لگاؤ۔ بھائی سید ولی احمد صادق اور میرے ابا جان مربی سلسلہ دونوں ہی (بیت الذکر) میں تھے اور (بیت الذکر) دشمنوں کے گھیرے میں تھی اس لئے ان کے آنے کی بھی کوئی امید نہ تھی۔ مگر کسی طرح ہماری فکر میں وہ (بیت الذکر) سے نکل آئے اور ہم چاروں بہنوں کو ایک قریبی احمدی محمود احمد صاحب امینی کے گھر چھوڑ آئے۔ یہ عشاء کے قریب کا وقت تھا۔ جب چاروں بہنیں امینی صاحب کے گھر پہنچیں تو دیکھا کہ دیگر احمدی گھروں کی لڑکیاں اور عورتیں بھی وہاں موجود تھیں۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ ہم چھت پر بیٹھ کر ایمان کی سلامتی اور احمدیت کی ترقی کے لئے دعائیں کیا کرتی تھیں۔ یعنی ان دنوں میں سب سے بڑی فکر ایمان کی سلامتی کی تھی اور پھر احمدیت کی ترقی کا فکر تھا جو ان کو اس وقت خدا کے حضور گریہ و زاری کرنے پر آمادہ کر رہا تھا۔ کسی اور ذاتی منفعت کا کوئی خیال ان کے دل سے نہیں گزرا۔

یکم جون کو تقریباً صبح کے پونے چار بجے پانچ رائفل بردار امینی صاحب کی چھت پر آ گئے جنہیں دیکھتے ہی مرد اور عورتیں چوبارہ کے کمروں میں چلی گئیں۔ کمرے صرف دو تھے ایک میں مرد اور ایک میں عورتیں جمع ہو گئیں۔ حملہ آور سر پر آ پہنچے۔ ان کی رائفلیں شعلے برسانے لگیں۔ آہ و فغاں کا اک شور بلند ہوا۔ اس وقت ہماری حالت یہ تھی کہ ہم کہہ نہیں سکتے تھے کہ ہم اس دنیا کو دوبارہ دیکھ سکیں گے۔ ہاتھ پاؤں پر رعشہ طاری تھا۔ ایسی ایک کیفیت تھی کہ بیان سے باہر ہے۔ اچانک مردوں کی جانب کا دروازہ ٹوٹا جہاں محمود صاحب اور ان کے نوجوان بھانجے اشرف صاحب تھے۔ چند لمحوں کے بعد ان کی آوازوں سے پتہ چلا کہ وہ ماموں بھانجا خاک و خون میں لتھڑے ہوئے تڑپ رہے ہیں۔ ایسا منظر تھا کہ کلیجہ منہ کو آتا تھا۔ اشرف صاحب کی ٹانگ سے خون کے فوارے بہہ رہے تھے۔ ان کی اہلیہ صاحبہ چھت پھلانگ کر اپنے غیر احمدی عزیز کے ہاں گئیں اور کہا کہ ہمارے گھر میں گولیاں برسائی جا رہی ہیں۔ میرا میاں اور بھانجا سخت زخمی حالت میں تڑپ رہے ہیں آپ کچھ مدد کریں مگر ان کا جواب تھا تمہارے ساتھ ہم کیوں جانیں گنوائیں۔ حملہ آور تو چلے گئے مگر زخمیوں کی چیخوں سے اور درد کراہ سے یوں معلوم ہوتا تھا کہ آسمان تھرا رہا ہے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر ہمارے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے ہم نے ان کے منہ میں پانی ڈالا۔ فون پر پولیس سے رابطہ کیا، صورتحال سے ان کو آگاہ کیا۔ پولیس تو ایسی غائب ہوئی کہ جیسے ڈھونڈے سے ان کا نشان نہ ملے اور صرف دعائیں تھیں جو ہمارا آسرا بنیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ہم کسی طریق سے ان کو ہسپتال پہنچانے میں کامیاب ہو گئے اور خدا کا یہ فضل ہوا کہ اشرف صاحب جو آج کل انگلستان کی جماعت میں ہیں، بریڈ فورڈ جماعت میں رہتے ہیں۔ ایک ٹانگ ہے ان کی۔ وہ اسی واقعہ کے ایک زندہ گواہ ہیں۔

حکیم نظام جان صاحب کے بچوں کے گھر کو جب آگ لگائی گئی تو سب اہل خانہ نچلی منزل پر تھے جو دوسری منزل پر چلے گئے۔ جلوس نے یہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ دوسری منزل کو بھی آگ لگا دی۔ باہر نکلنے کے راستے بند تھے۔ سڑک پر ہزاروں کا مجمع سخت گندی گالیاں دیتا ہوا اور جوش سے منہ سے جھاگیں نکالتا ہوا، ان کو موت کی دھمکیاں دیتا ہوا، شور و غوغا کر رہا تھا اور عجیب خوفناک آوازیں وہاں سے آ رہی تھیں۔ پھر یہ لوگ تیسری منزل پر جا پہنچے تو تیسری منزل بھی آگ کی لپیٹ میں آ گئی۔ اب نیچے اترنے کے لئے کوئی راستہ نہ تھا اور آگ بڑی تیزی سے پھیل رہی تھی۔ بچے سہم سہم کر بڑوں سے چمٹے ہوئے تھے اور ہمارے پاس دعا کے سوا اور کوئی آسرا نہ تھا۔ نیچے گلی میں ہجوم منتظر تھا کہ کب یہ جل کر خاک ہو جائیں اور ان کے ملبے کے ساتھ ان کی جلی ہوئی لاشیں بھی زمین پر آ گریں۔ کہتے ہیں اس

موقع پر سامنے کے گھر والوں کے دل کو اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف مائل فرما دیا اور انہوں نے لکڑی کا ایک تختہ گھر کی چھت سے آگے بڑھا کر ہماری چھت کے کنارے پر لگا دیا۔ وہ باریک سا تختہ تھا عام حالات میں کسی کو جرأت نہیں ہوسکتی تھی کہ اس تختے پر چل کر وہ گلی پار کرے۔ لیکن خدا نے ہمت دی۔ وہ کہتی ہیں کہ نیچے سے شور بپا ہورہا تھا اور ہم ایک ایک کرکے تختے پر چلتے ہوئے دوسری منزل پر جا پہنچے۔

راضیہ سید بنت سید احمد علی صاحب کہتی ہیں کہ نیچے بلوائیوں نے امی کو آواز دے کر کہا کہ کلمہ پڑھ لو ابھی وقت ہے۔ تو انہوں نے کلمہ پڑھا انہوں نے کہا مرزائن! ہمارا کلمہ پڑھو۔ انہوں نے کہا ہمیں تو اپنا کلمہ آتا ہے تمہارا کچھ اور ہے تو پتہ نہیں ہم تو یہی کلمہ جانتی ہیں۔ پھر اس نے کہا اچھا مرزا صاحب کو گالیاں دو۔ بہن نے جواب دیا تم ہماری جان لے لو ہمارا ایمان نہیں چھین سکتے۔ جب بہن نے کہا کہ پھر جو کچھ کر سکتے ہو کر گزرو۔ مگر ہم حضرت مسیح موعود کو گالی نہیں دیں گی۔ اس پر ایک غنڈے نے بہن کو تھپڑ مارا اور دوسرے نے ڈنڈے برسائے۔ اتنے میں ایک شخص نے کمانی دار چاقو پکڑا اور ابا جان کو کھینچ کر باہر لے جانے لگا اور کہنے لگا کہ یہی ان کا مربی ہے پہلے اسے ختم کرو۔ بہن زخمی حالت میں بھاگ کر ساتھ والے مکان میں چلی گئی۔ مگر وہاں کی خواتین نے یہ کہہ کر دھکے دے کر نکال دیا کہ اپنے ساتھ ہمیں بھی مرواؤ گی۔ پھر وہ ایک اور مکان میں گئیں لیکن انہوں نے بھی پناہ دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر میری بہن نے اس مکان کی چھت پھلانگ کر گلی پار کی یعنی واپس اپنے مکان میں گئی ہیں اور پانچ فٹ کا فاصلہ تھا دونوں چھتوں کے درمیان۔ تو عجیب خدا نے اس کو ہمت عطا فرمائی کہ وہ پانچ فٹ کی گلی پھلانگ کر کے دوسرے مکان میں گئیں اور وہاں سے پھر دوسرا راستہ اختیار کر کے اس نے اپنی جان اور عزت بچائی۔

میرے ایک کلاس فیلو اور عزیز دوست تھے محمد افضل شہید۔ ان کی بیگم سعیدہ افضل آجکل کینیڈا میں ہیں۔

میں نے ہدایت کی تھی کہ براہ راست ان سے یہ واقعہ منگوائیں کیونکہ لجنہ ربوہ کی طرف سے شنید کے طور پر واقعہ آیا تھا۔ اب وہ واقعہ موصول ہوگیا ہے۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ شہادت سے چند روز پہلے کی بات ہے کہ افضل شہید عشاء کی نماز پڑھ کر گھر واپس آئے تو میں بستر میں بیٹھی رو رہی تھی دیکھ کر کہنے لگے کہ سعیدہ کیوں رو رہی ہو۔ میں نے کہا یہ کتاب ''روشن ستارے'' پڑھ رہی تھی اور میرے دل میں شدید خواہش پیدا ہوئی کہ کاش میں بھی حضرت رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں ہوتی اور میرا نام بھی کسی نہ کسی رنگ میں ایسے روشن ستاروں میں شمار ہوجاتا۔ اس پر افضل کہنے لگے، یہ آخرین کا زمانہ ہے اللہ کے حضور قربانیاں پیش کرو تو تم بھی اولین سے مل سکتی ہو اور پہلوں میں شمار ہوسکتی ہو۔ پھر مجھے کیا خبر تھی کہ کتنی جلدی اللہ میری آرزو کو کس رنگ میں پورا کرے گا اور کتنی دردناک قربانیوں میں سے مجھے گزرنا پڑے گا۔ کہتی ہیں اللہ بہتر جانتا ہے کہ کس حسرت کے ساتھ میری یہ خواہش دل سے نکلی جو ایک ہفتہ کے اندر اندر حقیقت بن گئی۔ 31 مئی کی رات احمدیوں کے خلاف فسادات کا جوش تھا۔ ساری رات جاگ کر دعائیں کرتے گزر گئی۔ اپنا دفاع کرتے رہے۔ مجھے یہ وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ میرے شوہر اور بیٹے کے ساتھ یہ میری آخری رات ہے۔ یکم جون کو جلوس نے حملہ کر دیا۔ عورتوں کو افضل نے ہمسایوں کے گھر بھیج دیا اور خود باپ بیٹا گھر پر ٹھہر گئے۔ کیونکہ اس وقت ہدایت یہی تھی کہ کوئی مرد اپنا گھر نہیں چھوڑے گا اور عورتوں اور بچوں کو بچانے کی خاطر ان کو بیشک محفوظ جگہوں میں پہنچا دیا جائے۔ کہتی ہیں کہ سارا دن شور بپا رہا اور حملہ ہوتا رہا۔ توڑ پھوڑ کی آوازیں آتی رہیں مگر ہمیں کچھ پتہ نہ تھا کہ باپ بیٹے پر کیا گزری اور ظالموں نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ رات ہمیں ایک اور گھر منتقل کر دیا گیا۔ وہاں میں اپنے خاوند افضل صاحب اور بیٹے اشرف کا انتظار کرتی رہی۔ رات گیارہ بجے مجھے بتایا گیا کہ دونوں باپ بیٹا شہید ہوگئے ہیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ انہیں بڑے دردناک طریقے سے مارا گیا تھا۔ چھرے مارے گئے۔ انتڑیاں باہر نکل آئیں۔ پھر اینٹوں سے سر کوٹے گئے۔ اس طرح پہلے بیٹے کو باپ کے سامنے مارا گیا۔ جب اس نوجوان بیٹے کو اس طرح کچل کچل کر مارا گیا تو پھر باپ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ اب بھی ایمان لے آؤ اور مرزا غلام احمد قادیان کو گندی گالیاں دو۔

افضل نے یہ جواب دیا اور یہ جواب ایک غیر احمدی کی طرف سے ہمیں پہنچا تھا جو موقع کا گواہ تھا اور وہ واقعہ دیکھ کر اپنے حواس کھو بیٹھا تھا۔ شامل تو تھا مجمع میں لیکن اس کے دماغ پر ایسا اثر ہوا کہ کئی مہینے تک پاگل رہا۔ پھر رفتہ رفتہ اسے ہوش آئی۔ جب صدمہ برداشت کیا تو اس نے احمدیوں کو بتایا کہ مجھے کیا ہوا تھا۔ کہتا ہے میں نے یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

جب افضل کی طرف رخ کیا اور اسے کہا کہ اپنا ایمان چھوڑ دو۔ اس نے کہا مجھے اپنے بیٹے سے بھی کمزور ایمان والا سمجھتے ہو جس نے میرے سامنے اس بہادری سے جان دی ہے۔ جب آخر وقت تک سسکتے ہوئے وہ پانی مانگ رہا تھا تو گھر پر جو عمارت کے لئے ریت پڑی تھی وہ اس کے منہ میں ڈالی گئی اور باپ نے یہ نظارہ دیکھا۔ اس نے کہا جو چاہو کرلو، اس سے بدتر سلوک مجھ سے کرو مگر میں اپنے ایمان سے متزلزل نہیں ہوں گا۔ اس پر ان کو اسی طرح نہایت ہی دردناک عذاب دے کر شہید کیا گیا اور پھر ان کو ننگا کرکے ان کی نعشیں تیسری منزل سے اپنے گھر کے نیچے پھینک دی گئیں اور سارا دن کسی کو اجازت نہیں تھی کہ وہ ان نعشوں کو اٹھا سکے۔

وہ لکھتی ہیں لوگ ان پر پتھر برساتے رہے، لاشیں گھسیٹتے پھرتے تھے۔

چوہدری منظور احمد صاحب بھی گوجرانوالہ ہی میں شہید ہوئے۔ ان کی بیوہ محترمہ صفیہ صدیقہ صاحبہ لکھتی ہیں کہ جون 1974ء میں جب حالات خراب ہوئے تو پولیس میرے بیٹے مقصود احمد کو ایک دکان سے گرفتار کر کے لے گئی اور حوالات میں بند کر دیا۔ اگلے دن جلوس نے گھروں پر حملہ کر دیا۔ عورتوں کو ایک احمدی گھر جو بظاہر محفوظ تھا پہنچا دیا گیا۔ شام تک ہمیں گھر کی کوئی خبر نہ ملی۔ بعض لوگوں نے بتایا کہ ہمارے گھروں کو جلوس نے آگ لگا دی ہے اور وہاں پر موجود تمام افراد زخمی ہوگئے ہیں، حالانکہ اس وقت ان کو سب کی شہادت کی اطلاع مل چکی تھی۔ یعنی ہماری دلداری کی خاطر کہ ہمیں زیادہ صدمہ نہ پہنچے باوجود ان کی شہادت کی اطلاع کے صرف اتنا بتایا گیا کہ وہ زخمی ہیں۔ اس دن شام کو جب ایک ٹرک چھ شہیدوں کو لے کر راہوالی پہنچا تو ہمیں پتہ چلا کہ ہمارے پیارے تو شہید ہوچکے ہیں اور ان کی لاشیں اس ٹرک میں موجود ہیں مگر جلوس ٹرک کے پیچھے تھا۔ نہ جانے وہ ان لاشوں سے مزید کیا سلوک کرنا چاہتے تھے جنہیں پہلے ہی ڈنڈے اور پتھر مار مار کر شہید کیا گیا تھا۔ جلوس کے خطرے سے ٹرک ان لاشوں کو لے کر چلا گیا۔ میں اور میری بیٹی انیسہ اپنے پیاروں کے آخری دیدار سے بھی محروم رہے۔ ہم ان کے چہرے بھی نہ دیکھ سکے۔ میرا خوبصورت پاک طینت لخت جگر محمود احمد اور بیٹی کا جوان سہاگ، میرا پیارا داماد سعید احمد بھی اپنے حقیقی محبوب کے حضور حاضر ہوگئے۔ یہ لمحے قیامت کے لمحے تھے بتانا چاہوں تو کیسے بتا سکوں گی۔

جس کا خاوند شہید ہوا، جس کا بیٹا شہید ہوا، جس کا داماد شہید ہوا، سب کچھ لٹا کے بیٹھی تھی اور اپنے ایمان کی حفاظت کر رہی تھی۔ اپنے ایمان کی حفاظت کے لئے خدا سے دعا گو تھی۔ کہتی ہیں تم مجھ سے پوچھتی ہو کہ میں بتاؤں کہ مجھ پر کیا گزری تم بتاؤ میں کیسے بتا سکتی ہوں کہ مجھ پر کیا گزری ہوگی۔ یہ تین تو اللہ کو پیارے ہوگئے۔ چھوٹا بیٹا شدید زخمی تھا۔ بڑا بیٹا حوالات میں بند تھا۔ اسے کچھ معلوم نہ تھا کہ اس کا باپ، چھوٹا بھائی، بہنوئی تو شہید ہوچکے ہیں ان کی ماں، بہن نہ جانے کس حال میں ہیں۔ یہ اللہ ہی تھا جس نے ہمیں صبر کی توفیق عطا فرمائی۔

صفیہ صدیقہ صاحبہ اپنے بیٹے کی شہادت کا واقعہ جب بعد میں انہوں نے لوگوں سے سنا وہ بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں۔ یکم جون کو جو جلوس سول لائن سے ہمارے گھروں اور (بیوت الذکر) پر حملہ آور تھا۔ اس کے ساتھ جو پولیس تھی اس کا ایک سپاہی راہوالی کا رہنے والے تھے۔ اس نے بتایا کہ میں بہت سے جائے حادثات پر گیا ہوں میں نے ذاتی مفاد کی خاطر اور دس دس روپے کی خاطر ایک دوسرے کی جان لیتے ہوئے سڑک پر نشے، غفلت اور لاپرواہی کے نتیجے میں گاڑیاں چلانے والوں کو بھی مارتے اور مرتے دیکھا ہے۔ لیکن یکم جون سول لائن میں ایک گھر کی چھت پر جو معرکہ گزرا شاید دنیا نے کبھی ایسا واقعہ نہیں دیکھا۔ وہ پولیس کا سپاہی ان کو بتا رہا ہے کہ اس دن مجھے معلوم ہوا...... کہ کیسے جان نثار کیا کرتے تھے۔ اس نے کہا میں اس لڑکے کو کبھی بھلا نہیں سکوں گا جس کی عمر بمشکل سترہ اٹھارہ برس ہوگی۔ سفید رنگ، لمبا قد، اس کے ہاتھوں میں بندوق تھی۔ ہمارے ایک ساتھی نے جاتے ہی اس کے ہاتھ پر ڈنڈا مارا اور بندوق چھین لی۔ جلوس اس لڑکے پر تشدد کر رہا تھا۔ جلوس میں سے کسی نے کہا مسلمان ہو جاؤ اور کلمہ پڑھو اس نے (کلمہ پڑھا) اور کہا میں سچا احمدی (-) ہوں۔ جلوس میں سے کسی نے کہا مرزا کو گالیاں دو۔ اس لڑکے نے اپنے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا یہ کام میں کبھی نہیں کروں گا اور ان کی ایک نہ سنی۔ اس نے کہا تم مجھے اس ہستی کو گالیاں دینے کے بارے میں کہہ رہے ہو جو اس جان سے بھی پیارا ہے اور ساتھ ہی اس نے مسیح موعود زندہ باد اور احمدیت زندہ باد کا نعرہ لگایا۔ نعرہ لگانے کی دیر تھی کہ جلوس نے اس لڑکے کو چھت پر سے اٹھا کر نیچے پھینک دیا۔ اینٹوں اور پتھروں کی بارش شروع ہوگئی۔ مزید چھت پر بنے پردوں کی جالیاں توڑ کر اس پر پھینکیں اور اس لڑکے نے میرے سامنے اپنے مذہب پر اور صداقت پر جان نثار کر دی۔ یہ وہ واقعہ ہے جو اس پولیس والے نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اس نے گواہی دی۔

مکرمہ رشیدہ بیگم صاحبہ جن کے شوہر قریشی محمود احمد صاحب شہید کئے گئے۔ لکھتی ہیں کہ قریشی محمود احمد کو شہادت کا شوق ہی بہت تھا۔ 1974ء میں احمدیوں کی مخالفت زوروں پر تھی۔ مگر آپ نے ہر موقع پر ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا۔ یہ مخالفت کم ہونے کی بجائے بڑھتی چلی گئی اور آپ کے ماموں زاد بھائی مقبول احمد کو فروری 1982ء میں پنوں عاقل میں شہید کر دیا گیا۔ جب اپنے بھائی کو بہشتی مقبرے میں قبر میں اتار رہے تھے تو کہا۔ اے مقبول یہ رتبہ خوش نصیبوں کو نصیب ہوتا ہے کاش مجھے بھی یہ رشتہ حاصل ہو جائے اور میں بھی یہیں پر آؤں۔ ربوہ سے واپسی پر وہاں کی پولیس نے آپ سے کہا کہ آپ اپنی زمینیں فروخت کر کے کہیں اور چلے جائیں۔ کیونکہ پہلے آپ کے رشتے دار بھائی کو شہید کیا جا چکا ہے۔ ہم (مخالفین) کی وجہ سے مجبور ہیں کچھ نہیں کر سکتے۔ انہوں نے کہا احمدیت کی مخالفت تو ہر جگہ ہے۔ ہر جگہ دشمن موجود ہے۔ اگر شہادت مجھے ملنی ہے تو یہاں کیوں نہ ملے۔ آپ کے چار بیٹے اور چھ بیٹیاں ہیں۔ دو بیٹے سکول جاتے تو ان کو کچھ لڑکے پتھر مارتے اور گالیاں دیتے اور سکول کے اساتذہ بھی مذہبی مخالفت کی بناء پر زیادہ سختی کرتے۔ ان حالات میں تعلیم جاری رکھنا مشکل ہوگیا۔ اکثر گروہوں کی شکل میں لڑکے آتے اور گھروں پر بھی فائرنگ کرتے۔ دشمن رات کو چھپ کر ہمارے کھیتوں کے پانی بھی بند کر دیتے۔ پھر پکی ہوئی فصلوں کو بھی آگ لگا دیتے یا کاٹ کر اجاڑ جاتے تاکہ ان پر ذریعہ معاش تنگ ہو جائے اور کسی طرح یہ یا احمدیت سے توبہ کرلیں یا یہ سب چیزیں

چھوڑ کر کہیں نکل جائیں۔

کہتی ہیں ایک رات دروازہ کھٹکا۔ جیٹھ کا بیٹا سعید باہر گیا جب دیر تک واپس نہ آیا تو آپ کے شوہر قریشی محمود صاحب باہر گئے دیکھا کہ دو آدمی لوہے کی موٹی سلاخ سے سعید کو مار رہے ہیں۔ انہیں لوگوں کو قریشی صاحب کو شہید کرنے کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ ایک طرف گندم کاٹ کر رکھی ہوئی تھی اس کو آدمیوں نے آگ لگا دی۔ (مخالفین) بازار میں لوگوں کو بھڑکا کر کہ محمود قادیانی کو قتل کرنا واجب اور ثواب ہے ساتھ ہی کہتے رہے کہ دیکھو قادیانی کتنے ڈھیٹ ہیں۔ ہم یہ سب کچھ ان پر کر رہے ہیں لیکن مذہب نہیں چھوڑتے۔ آپ بیان کرتی ہیں کہ میرے شوہر نے دین کی خاطر مرنا قبول کرلیا اور دین کو ہمیشہ دنیا پر مقدم رکھا آخر رمضان کا مہینہ آگیا۔ مخالفت زوروں پر تھی۔ جب انہوں نے سب حربے آزما لئے اور سخت ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تو آخر ایک رات وہ اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب ہوگئے۔ 29 جولائی شام سات بجے 1985ء کو جب ایک ہندو دوست کے کام سے باہر جانے لگے تو آپ کی اہلیہ نے کہا کہ واپسی پر راستہ بدل لیں کیونکہ دشمن تاک میں رہتا ہے۔ انہوں نے کہا جو رات مجھے قبر میں آنی ہے وہ باہر نہیں آسکتی۔ جب تک میری زندگی خدا نے لکھی ہے وہ مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ ایک دن ایک دوست کو ملنے گئے آپ کا چودہ سالہ بیٹا بھی ساتھ تھا واپسی پر تین آدمیوں نے اچانک ایک گلی سے نکل کر آپ پر حملہ کر دیا اور وہیں شہید کر دیا۔

شہادت کے وقت اپنے بیٹے سے کہا کہ بیٹے احمدیت نہ چھوڑنا خواہ تمہیں بھی جان دینی پڑے پھر بیان کرتی ہیں کہ جس رات آپ کے شوہر کی میت کو ربوہ پہنچایا گیا اس رات آپ کے گھر پر زبردست فائرنگ ہوئی مگر خدا کے فضل سے سب محفوظ رہے۔ آپ بتاتی ہیں کہ بچیوں کا سر فخر سے بلند رہتا ہے کہ ہمارے والد نے شہادت کا رتبہ حاصل کرلیا اور کہتی ہیں کہ موت تو ایک اٹل حقیقت ہے کسی اور طریق سے بھی تو آسکتی تھی۔

رخسانہ طارق جولائی 1986ء میں عید کے دن شہید کی گئیں۔ ...... جولائی 1986ء میں عید ہی کا دن تھا۔ رخسانہ نے عید پر جانے کا ارادہ ظاہر کیا طارق کے بڑے بھائی نے مخالفت کی اور ڈانٹ کر منع کر دیا۔ وہ طارق سے کہنے لگی ہم ربوہ چلے جاتے ہیں وہاں اپنا گھر بنا لیتے ہیں۔ پھر وہ پرانے کپڑوں میں ہی عید کی نماز کے لئے چلی گئی حالانکہ شادی کے بعد یہ اس کی پہلی عید تھی۔ عید کی نماز میں وہ بہت روئی اور گھر واپس آتے ہوئے بہت خوش تھی۔ سب کے لئے ناشتہ تیار کیا ان کے خاوند بتاتے ہیں کہ میں حیران تھا آج اتنی خوش کیوں ہے۔ وہ گھر میں سب کو خوشی سے ملی۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ یہ اس کے آخری لمحات ہیں۔ طارق کا بڑا بھائی آیا اور آتے ہی رخسانہ پر گولیوں کی بارش برسا دی۔ طارق کہتے کہ مجھے اکثر کہا کرتی تھی کہ جب میں اللہ کو پیاری ہو جاؤں تو مجھے پہاڑوں کے دامن میں دفن کرنا۔ وہ ربوہ ہی کے پہاڑ تھے جہاں پر بالآخر وہ دفن کی گئی۔

مقبول شہید صاحب کی بیگم صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ میرے شوہر مقبول احمد نے 1967ء میں بیعت کی تھی۔ احمدیت قبول کرنے کے بعد (مخالف) آپ کو بہت تنگ کرتے تھے۔ دھمکیاں دیتے، رات کو گھر پر پتھراؤ کرتے، دروازے کھٹکھٹاتے۔ آپ کا لکڑی کا آرا تھا۔ ایک دن ایک نقاب پوش لکڑی خریدنے کے بہانے آیا اور خنجر نکال کر آپ پر پے در پے وار کئے اور وہیں شہید کر دیا۔ شوہر کی شہادت کے بعد سسرال والوں نے کہا جو غیر احمدی تھے کہ احمدیت چھوڑ دو تو ہم تمہیں پناہ دیں گے۔ دشمن بھی دھمکیاں دیتے رہے کہ احمدیت چھوڑ دو اور ہمارے ساتھ مل جاؤ۔ ہم تمہیں سینے سے لگا لیں گے۔ لیکن میں نے ان سب باتوں کو حقارت سے رد کر دیا اور ان سے کہا کہ جو کچھ کر سکتے ہو کر گزرو کسی قیمت پر بھی میں احمدیت کو نہیں چھوڑوں گی جس کی خاطر میرے شوہر کو آپ نے شہید کیا ہے اور اس نے بڑی خوشی سے یہ قربانی دی تھی۔

مریم سلطانہ اہلیہ ڈاکٹر محمد احمد خاں صاحب بیان کرتی ہیں کہ میں اپنے خاوند اور بچوں کے ساتھ ضلع کوہاٹ کے علاقے ٹل میں مقیم تھی۔ اس علاقے میں کوئی احمدی گھرانہ نہ تھا۔ 1953ء کے فسادات میں وہاں مخالفت کی آگ بہت بھڑکی۔ مخالفین میرے خاوند کو دھوکہ دے کر لے گئے اور غیر علاقے میں لے جا کر شہید کر دیا۔ جب آپ کو شہادت کی خبر ملی تو ارد گرد کوئی بھی آپ کا دوست نہ تھا۔ سب مخالف تھے اپنے آپ کو دلاسہ دیا اور ہمت کر کے بچوں کو خدا کے سپرد کر کے اپنے میاں کی نعش لینے کے لئے نکل کھڑی ہوئی جس قسم کے حالات تھے نعش کا ملنا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ آپ لاش تلاش کرتی پھرتی تھیں۔ کہتی ہیں میں لاش تلاش کرتی پھرتی تھی اور شہر کے لوگ میرے شوہر کے قتل پر خوشیاں منا رہے تھے میں نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا کوئی میرے غم میں شریک نہ تھا۔ آخر انہوں نے لاش حاصل کر لی اور ٹرک کا انتظام کیا۔ بڑی بہادر خاتون تھیں خود اکیلے ہی یہ سارے کام کئے۔ پھر ٹرک کا انتظام کیا۔ اس میں لاش رکھ کر چاروں بچوں کو ہمراہ لے کر ربوہ روانہ ہوگئیں۔ کہتی ہیں میں آہوں اور سسکیوں میں زیر لب دعائیں کرتی رہی۔

آپ کے شوہر کی دکان بھی لوٹ لی گئی۔ قاتل وہاں دندناتا پھرتا تھا لیکن کوئی اسے پکڑنے والا نہ تھا۔ لیکن خدا کی پکڑ سخت ہوتی ہے۔ یہ پاگل ہوگیا اور دیوانگی کی حالت میں گلیوں میں نیم برہنہ پھرتا رہا اور کچھ عرصہ نظر آنے کے بعد کہیں ہمیشہ کے لئے گم ہوگیا۔ وہ شخص جو مریض دکھانے کے بہانے ڈاکٹر کو بلانے آیا تھا وہ بھی اپنے بھائی کے ہاتھوں بیوی بچوں سمیت قتل ہوگیا......

ڈاکٹر منور احمد صاحب شہید سکرنڈ کی اہلیہ بیان کرتی ہیں۔

سکرنڈ کے حالات زیادہ خراب ہوئے تو مجھے کہنے لگے کہ ربوہ چلی جاؤ مگر میں نہ مانی اور کہا کہ چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ جب شہادت کا دن آیا تو کلینک میں دو آدمی آئے اور گولیاں برسا کر آپ کو وہیں شہید کر دیا۔ بیان کرتی ہیں کہ شدید گرمی میں پونے تین بجے کے قریب تینوں بچے سوئے ہوئے تھے کہ اچانک اٹھ کر چیخیں مارنے لگے۔ میں پہلے ہی بے چین تھی کہ اتنے میں کمپاؤنڈر روتا ہوا آیا اور بتایا کہ ڈاکٹر صاحب کو کسی نے گولی مار دی ہے۔ بہت ہجوم اکٹھا ہوگیا۔ ایک غم کا پہاڑ تھا جو مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ بڑی تکلیف میں یہ دن کٹے۔ بچے کہتے تھے کہ ابو کو کس نے گولی ماری؟ میں ان کو گولی ماردوں گا۔ ایک بچہ کہتا کہ وہاں اور لوگ بھی تو تھے انہوں نے ہمارے ابا ہی کو کیوں مارا میں ان کو سمجھاتی رہی کہ ان کو شہادت کا شوق تھا سو وہ شوق پورا ہوا اور شہادت نصیب ہوئی۔

مکرمہ ثریا صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ گوجرانوالہ میں علی پور میں رہتے تھے 74ء کے ہنگاموں میں جب وہاں سے جلوس آیا تو ایک رات پانچ چھ آدمی ہمارے گھر آگئے۔ میری تائی جان نے ان سے کہا کہ تم کیا چاہتے ہو۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے گھروں کو اور تم کو جلانا چاہتے ہیں۔ اس پر میری تائی جان نے کہا بیشک ہمارے گھروں کو جلا دو لیکن ہمیں یہاں سے نکل جانے دو۔ اتنے میں میری بہنوئی عنایت محمد بھی آگئے۔ مخالفوں نے میری بہنوئی اور میرے والد غلام قادر کو پکڑ لیا۔ میرے سامنے ان کو زبردستی گھسیٹتے ہوئے باہر لے گئے۔ اکیلی عورت تھی بے بس تھی۔ کچھ نہ کر سکتی تھی۔ میرے دیکھتے دیکھتے ظالموں نے ان دونوں کو گولیاں مار مار کر شہید کر دیا۔ اللہ نے مجھے صبر کی توفیق بخشی، گو غموں کا پہاڑ تھا جو ٹوٹ پڑا تھا۔ دو ماہ بعد میری والدہ بھی وفات پا گئیں۔ بہت تکلیف دہ حالات تھے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہر موقع پر ثبات قدم عطا فرمایا۔

محترمہ امۃ اللہ اور امۃ الرشید صاحبہ دونوں بیٹیاں ہیں ڈاکٹر عبدالقدیر صاحب جدران کی۔ یہ لکھتی ہیں 1984ء میں جب حالات خراب ہوئے تو آپ کو کئی دفعہ دھمکی آمیز خطوط آئے یعنی ان کے والد کو کہ ہم تمہیں قتل کر دیں گے۔ لیکن آپ کو ان دھمکیوں سے کوئی خوف اور ڈر نہ تھا۔ بلکہ نماز تہجد میں شہادت کی دعا مانگا کرتے تھے۔ آخر ایک روز ایک شخص مریض بن کر آیا اور مسیحا کی جان لے گیا۔ اس نے کئی فائر کئے اور ڈاکٹر صاحب نے اسی وقت شہادت کا رتبہ پا لیا۔ آب زمزم سے دھلے ہوئے دو کفن مکہ سے لائے تھے ان کی خواہش تھی کہ ان کفنوں میں ان کو دفنایا جائے۔ اصولاً شہید کو کفن نہیں دیا جاتا مگر ڈاکٹر صاحب کے کپڑے خون میں لت پت تھے جو پولیس نے لے لئے اور ڈاکٹر صاحب کو مجبوراً پھر وہی کفن کی چادریں پہنانی پڑیں۔

امۃ الحفیظ شوکت صاحبہ ڈاکٹر انعام الرحمٰن صاحب انور شہید کی اہلیہ لکھتی ہیں۔ جب ایک دن لوگوں نے آپ کو حالات خراب ہونے اور اس کے نتیجے میں خطرات سے آگاہ کیا تو آپ نے یہ کہہ کر علاقہ چھوڑنے سے انکار کر دیا کہ پھر تو یہ علاقہ احمدیت سے خالی ہو جائے گا۔ آپ کے تمام بہن بھائیوں اور عزیز و اقارب نے بھی سندھ چھوڑنے کا مشورہ دیا مگر اس وقت بھی حامی نہ بھری بلکہ کہنے لگے کہ شاید سندھ کی سرزمین میرا خون مانگتی ہے اور پھر سینے پر ہاتھ مار کر کہنے لگے کہ میں اس کے لئے تیار ہوں۔ ڈاکٹر صاحب مجھے کہا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ جیسی دردمند، محبت کرنے والی، دین کی راہوں پر قدم مارنے والی ساتھی عطا کر دی ہے۔ آخری دن جب ہم دونوں بازار گئے ہوئے تھے تو ایک دکان پر مجھے انتظار کرنے کے لئے کہا اور ساتھ ہی ایک سٹول لا کر دیا کہ آپ یہاں بیٹھیں۔ یہ گوارا نہ تھا کہ میں کھڑی ہو کر بے آرامی میں انتظار کروں۔ ساتھ ہی گوشت والی دکان تھی۔ ڈاکٹر صاحب گوشت لے کر پیسے نکالنے لگے تو پیچھے سے اچانک دشمنوں نے حملہ کر دیا اور موقع پر ہی آپ کو شہید کر دیا۔ آپ کی لاش خون میں لت پت تھی۔ آپ نے اپنے خون میں انگلیاں ڈبو کر لا الٰہ الا اللہ لکھا اور اس حالت میں جان دے دی۔ ان کی شہادت کا منظر بڑا دردناک تھا۔ میرے سامنے تڑپتے تڑپتے جان دی۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے مجھے صبر کی توفیق بخشی۔......

جلسہ جرمنی 1994ء میں

خواتین سے خطاب

ایک احمدی خاتون جو بیٹ ناصر آباد کی صدر لجنہ اماء اللہ ہیں وہ لکھتی ہیں کہ گزشتہ سے پیوستہ سال دشمنوں نے ان کو گھیرے میں لے لیا اور زدوکوب کرنے لگے۔ بار بار یہ کہتے تھے کلمہ پڑھو کلمہ پڑھو۔ وہ کہتی ہیں کہ میں جب کلمہ سناتی تھی تو پھر مجھ پر مکوں اور گھونسوں کی بارش شروع ہو جاتی تھی اور کوئی تھپڑ مارتا تھا اور کوئی جو بھی ہاتھ میں چیز تھی اس سے تکلیف پہنچاتا تھا۔ یہاں تک کہ میں نڈھال ہوگئی اور مجھے سمجھ نہیں آتی تھی کہ میں کیا کروں۔ کیونکہ وہ کہتے تھے کلمہ پڑھو اور میں کلمہ پڑھتی تھی تو آخر بات یہ کھلی کہ یہ کلمہ تو ہمارا ہے۔ تم اپنا کلمہ پڑھو اور چونکہ ہمارا الگ کلمہ ہی کوئی نہیں اس لئے ان کا دماغ اس طرف جا ہی نہیں سکتا تھا کہ میں الگ کلمہ کون سا پڑھوں۔ غرضیکہ اسی حالت میں یہ کہتی ہیں کہ آخر انہوں نے مجھ پر یہ بات کھولی کہ اگر کلمہ پڑھنا ہے تو حضرت مسیح موعود کو گالیاں دو۔ اس پر انہوں نے کہا کہ جو کچھ بھی کرنا ہے کر گزرو مگر میں تو کلمہ پڑھوں گی اور میرے کلمہ میں کسی کو گالیاں دینا شامل نہیں۔

لجنہ اماء اللہ بہاولپور کی صدر لکھتی ہیں کہ

1957ء میں احمدیت قبول کی تھی۔ 1965ء میں میری شدید مخالفت شروع ہوگئی۔ محلے کے لوگوں نے بہت سختی کی۔ایک بار انہوں نے گھر آ کر انہیں مارا پیٹا۔ باہر لوگ اکٹھے کر لئے جو باہر نعرے لگا رہے تھے اور مجھے قتل کی دھمکیاں دے رہے تھے خوف کی وجہ سے کہتی ہیں میں نے اپنے خاوند اور بیٹے کو باہر بھجوا دیا تھا تا کہ وہ زندہ بچ جائیں لیکن خود اپنے چھوٹے بچوں کو ساتھ لے کر وہیں بیٹھی رہی۔ 1975ء میں پھر یہ جوش دوبارہ ابلا تو بڑے زور سے سارے محلے والوں نے ہم پر سختی شروع کر دی اور رات کے وقت مل کر حملہ کیا۔ کہتی ہیں کہ میرے خاوند کو گھسیٹ کر (اپنی) مسجد میں لے گئے اور بہت مارا پیٹا اور بار بار سختی کی۔میرا سارا زیور چھین لیا اور جو پلاٹ تھا اس پر بھی قبضہ کر لیا۔ میں نے سب کچھ بڑی ہمت اور حوصلے سے برداشت کیا اور یہ عہد کر لیا کہ اگر یہ مجھے آگ میں بھی ڈال دیں گے تو احمدیت کو نہیں چھوڑوں گی۔ چنانچہ دعائیں مقبول ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے بالآخر ان ظالموں سے مجھے نجات بخشی۔

ہاجرہ تبسم صاحبہ صدر لجنہ قصور بیان کرتی ہیں کہ 74ء میں قصور شہر کے تمام احمدی گھروں پر پہرہ لگا دیا گیا کہ کوئی کھانے کی چیز ان تک نہ پہنچ سکے۔ نہ پینے کا پانی، نہ دودھ، نہ کوئی کھانے کی چیز۔ایک دن کارپوریشن کا عملہ پانی کا پائپ کاٹنے کے لئے بھی آ گیا اور انہوں نے کہا کہ تم پانی پر زندہ ہو ہم یہ پانی بھی بند کریں گے۔ان سے ان کی لمبی گفتگو ہوئی اور انہوں نے قتل کی بھی دھمکیاں دیں۔آخر اس نے کہا کہ دیکھو تم ایک خون کی بات کر رہے ہو یہاں جو کچھ بھی ہے سب حاضر ہے۔تم ہمارے خون کی ندی بہا دو گے تب بھی ہم اپنے دین اور ایمان کو نہیں چھوڑیں گے، میں حاضر ہوں، میرے بچے حاضر ہیں جو کرنا ہے کر گزرو۔ وہ کہتی ہیں اس بات کا ان پر ایسا اثر پڑا کہ وہ عملہ جو باقاعدہ اس غرض سے بھجوایا گیا تھا کہ پائپ کاٹ دیں، بغیر پائپ کاٹے واپس چلا گیا اور یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ یہ لوگ اپنے عقیدے سے ٹلنے والے نہیں ہیں۔اس لئے ان کے ساتھ جو کچھ بھی کرنا ہے بیکار ہے۔ اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔اس کے باوجود بیس دن تک مسلسل ناکہ بندی جاری رہی۔

امۃ الحمید صاحبہ لکھتی ہیں کہ 1974ء میں مخالفین نے جلوس کی شکل میں فیصل آباد کے احمدی گھروں کا رخ کیا اور میرے میاں اور چار بیٹے نماز مغرب کے لئے ایک فرلانگ پر گئے ہوئے تھے اور گھروں میں میں اور میری چار معصوم بیٹیاں تھیں۔ میں خود بیمار تھی۔ ہم دوسری منزل پر چلے گئے۔ مردوں کی طرف سے بہت فکرمند تھے۔ میری بیٹی جو نسبتاً بڑی تھی وہ گھبرا کر نکلی اور پانچ گز کی دیوار پھلانگ کر ہمسائی سے جا کر منتیں کیں۔اس کو رحم آیا تو وہ ساتھ لے کر جہاں میرے میاں اور بچے تھے ان کو اطلاع دینے پہنچ گئے۔ کہتی ہیں میں جلوس سے محو گفتگو تھی اور مسلسل ان کی باتوں کا جواب دے رہی تھی۔ جب ان کے پاس اور باتیں کرنے کی نہ رہیں۔کوئی دلیل نہ رہی تو آخر انہوں نے فیصلہ کیا کہ نماز عشاء کے بعد بڑا جلوس اکٹھا ہوا اور اینٹوں پر پتھروں کی بارش کی جائے۔ چنانچہ رات کے اندھیروں میں بہت خوفناک آوازوں کے ساتھ انہوں نے ہمارے مکان پر حملہ کیا۔ ہر طرف سے اینٹوں اور پتھروں کی بارش برسا دی اور مجبور کیا کہ میرے میاں اور بیٹے کو کہ باہر نکلیں اور کلمہ شہادت سنائیں۔ چنانچہ ان کے کہنے میں آ کر وہ باہر نکلے اور اس پر انہوں نے ان کو مارنا شروع کیا اور ساتھ ساتھ کہتے جاتے تھے کہ کلمہ پڑھو۔ پھر وہی بات جب کلمہ پڑھتے تھے تو کہتے تھے یہ کلمہ کافی نہیں ہے۔تم مرزا صاحب کو گالیاں دو۔ چنانچہ انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو اس سے پہلے خاتون نے دیا تھا۔ چنانچہ ان کو ادھ موا چھوڑ کر جب وہ چلے گئے تو کہتی ہیں بڑی مشکل تھی۔اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضل فرمایا ور ہم بچ گئے۔آخری کوشش انہوں نے یہ کی کہ ہمیں زندہ اپنے مکان میں جلا دیں لیکن تیل چھڑکنے کے باوجود بار بار اس کو شعلے دکھانے کے باوجود کوئی ایسی بات ہوئی کہ مکان کو آگ نہیں لگ سکی۔ چنانچہ ایسی حالت میں ہی ٹوٹے ہوئے دروازوں اور کھڑکیوں کے ساتھ ہم نے رات بسر کی اور بعد میں اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا کہ ہمیں ان کے چنگل سے نجات بخشی۔

نسیم اختر صاحبہ اہلیہ ولایت خان صاحب بیان کرتی ہیں کہ جب چک سکندر پر حملہ ہوا تو حملہ آوروں نے احمدی گھرانوں کو آگ لگانا شروع کر دی۔ ہمارے گھر آئے تو گھر کی کھڑکیاں، دروازے انہوں نے توڑ دیئے۔ سارا سامان باہر نکال کر جلا دیا۔ کچھ لوٹ کر لے گئے۔ ہم لوگ گھر کے پچھلے کمرے میں تھے۔وہ لوگ آپس میں باتیں کرنے لگے۔ان کو یہیں زندہ جلا دو۔جب وہ لوگ سامان جلا رہے تھے تو میری زبان سے کلمہ طیبہ کے الفاظ نکل رہے تھے۔ایک لڑکا قرآن پاک کو آگ میں پھینکنے لگا تو اس وقت مجھ سے برداشت نہ ہوا۔ میں بھاگ کر بے خطر اس کی طرف جھپٹی اور کہا دیکھو قرآن نہ پھینکو۔ وہ آگے بڑھا اور میرے منہ پر تھپڑ مارنے لگا۔ میں نے اپنا منہ آگے کر دیا اور کہا کہ دیکھو تھپڑ ضرور میرے مار لو، جتنے چاہو مار لو مگر قرآن پاک کو کچھ نہ کہو۔مگر اس ظالم نے اس کے باوجود جلتی آگ میں قرآن پھینک دیا۔ظالم آگ میں سامان ڈالتے اور کہتے اب تمہارا مرزا ہی ہے جو تمہیں سامان دے گا۔ اللہ کا فضل ہے کہ یہ گاؤں اب پھر آباد ہو چکا ہے۔یہ سارے خدا کے فضل سے پہلے سے زیادہ بہتر ہیں۔ وہ کہتی ہیں میں نے کہا پہلے بھی خدا ہی دیتا تھا اب بھی خدا ہی دے گا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اب ان کو پہلے سے بڑھ کر سب کچھ عطا فرمایا ہے اور اس وقت وہ ڈش انٹینا کے ذریعہ ہمارا یہ اجلاس دیکھ رہے ہیں اور سن رہے ہیں۔

سید صادق شاہ صاحب پھگلہ کی بیگم نیر سلطانہ صاحبہ لکھتی ہیں کہ میں شادی کے بعد احمدی ہوئی۔سسرال والے سب پہلے سے احمدی تھے لیکن سارا میکہ اور برادری غیر احمدی تھے۔1974ء کے بعد بہت زیادہ مخالفت شروع ہوگئی۔ والد صاحب پر دباؤ ڈالا گیا کہ اپنی بیٹی کی علیحدگی کروا کر اسے گھر لے آؤ۔ انہوں نے کہا اس کے تین بچے ہیں میں اسے کیسے گھر لا سکتا ہوں۔یعنی جو لکھنے والی ہیں کہتی ہیں میرے والد پر دباؤ ڈالا گیا کہ مجھے خاوند سے طلاق دلوا کر یا خلع دلوا کر باپ اپنے گھر لے جائے۔ 84ء کے بعد پھگلے میں شدید مخالفت ہوئی ہمارے گھر پر پتھراؤ کیا جاتا رہا۔ بچوں کو سکول جاتے ہوئے لوگ مارتے اور گالیاں دیتے۔ایک وقت ایسا بھی آیا کہ بیٹا خاوند اور گھر کے دوسرے افراد کلمہ پڑھنے کی وجہ سے جیل میں چلے گئے اور گھر میں صرف عورتیں رہ گئیں۔

رحمت بی بی صاحبہ اہلیہ ماسٹر غلام محمد صاحب لکھتی ہیں کہ 1974ء میں جب حالات خراب ہوئے تو رات کے اڑھائی تین بجے جلوس گھر آ پہنچا۔ دروازے کھڑکیوں کو آگ لگا کر چلے گئے۔ گھر میں میری بیٹیوں کے چھوٹے چھوٹے بچے تھے جو سب سہم کر اپنی ماؤں کی چھاتیوں سے چمٹے ہوئے تھے ہم نے کوشش کر کے آگ بجھا دی صبح پھر جلوس آ گیا۔ ان کے ہاتھوں میں برچھیاں اور کلہاڑیاں اور ٹوکے تھے۔انہوں نے دروازوں اور روشن دانوں کے شیشے توڑ دیئے اور گھر کو گھیرے میں لے لیا۔کوئی چیز باہر سے نہ اندر آ سکتی تھی نہ باہر جا سکتی تھی۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو دودھ کی ضرورت تھی۔ دودھ ہم لا نہیں سکتے تھے۔ ہم پانی میں چینی گھول کر بچوں کو دیتے رہے۔ بچے روتے بلکتے لیکن تین دن رات تک ہم انہیں صرف میٹھا پانی پلاتے رہے۔ بڑی تکلیف کے دن تھے۔ الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے ثبات قدم بخشا اور ہمارے ایمان کو بچا لیا اور ہم نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

امۃ الامین اہلیہ عبد الرزاق شاہ صاحب پھگلہ لکھتی ہیں کہ 74ء میں جب احمدیوں پر قیامت ٹوٹی تو ظالموں نے سب احمدیوں کے گھر لوٹ لئے اور ہمارا گھر بھی راکھ کا ڈھیر بن گیا۔ہم نے سب ظلم وستم برداشت کئے مگر احمدیت کو نہ چھوڑا اور مضبوطی سے اسے تھامے رکھا۔ جب بچے سکول جاتے تو روتے ہوئے گھر آتے۔ سکول ٹیچر سے احمدی ہونے کی وجہ سے مار پڑتی تھی۔ یہ (یعنی لکھنے والی) خود سکول گئیں اور ٹیچر سے کہا بچے زخمی ہو جاتے ہیں تم کیا ظلم کر رہی ہو۔تو اس نے کہا آسان بات ہے تم احمدیت چھوڑ دو تو میں مارنا چھوڑ دوں گی۔ پس ماں کے ثبات قدم اور ایمان کے نتیجے میں روزانہ بچیوں کو مار مار کے ان کے ہاتھ زخمی کر دیئے جاتے۔ کہتی ہیں جب بچے سکول جاتے روتے ہوئے گھر آتے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کہتی ہیں آپ کے گھر کے قریب غیر (از جماعت) کی مسجد تھی جمعہ کے دن وہ لوگ آپ کے گھر پر پتھر پھینکنے آ گئے۔ گھر کے سارے شیشے توڑ دیئے اور ہر جمعہ ہی رواج بن گیا کہ جمعہ کی نماز سے فارغ ہوئے اور مظلوم عورتوں اور بچوں پر پتھراؤ کرتے اور گندی گالیاں دیتے اور یہ فضل الٰہی کی تلاش کے نئے اسلوب ایجاد کر رہے تھے۔ کہتی ہیں بالآخر جب ہم نے استقامت دکھائی اور اسی حالت میں حال میں اس گھر میں ٹھہرے رہے تو ایک دن انہوں نے گھر کو اس طرح آگ لگائی کہ سارا گھر پھنک گیا اور سوائے خاکستر جلی ہوئی اینٹوں کے وہاں کچھ بھی نہ بچا ہم بمشکل ننگے پاؤں اور ننگے سر وہاں سے نکلے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کے پھندے سے نجات بخشی لیکن اس حال میں کہ گھر کا سامان، ساری عمر کی جائیداد، سب کچھ خاک کا ڈھیر بن چکا تھا۔

شمس النساء صاحبہ اہلیہ شیخ غلام احمد صاحب بہاولنگر لکھتی ہیں کہ 1974ء میں ہنگامے شروع ہوئے تو ہر جگہ جلوس اور ماردھاڑ شروع ہوگئی۔ بہاولنگر میں جلوس نکلے۔ احمدیوں کو اور حضرت اقدس مسیح موعود کو انتہائی گندی گالیاں دی گئیں۔ان کے ہاتھ میں مٹی کے تیل کی بوتلیں اور ڈنڈے اور پتھر تھے۔ جب یہ جلوس بازار آیا تو پولیس بھی آ گئی مگر وہ خاموش تماشائی بنی رہی۔ جلوس والوں نے میرے دیور کی کپڑے کی دکان پر تیل چھڑک کر آگ لگا دی اور باقی احمدیوں کی دکانوں کو بھی توڑ پھوڑ کر چلے گئے۔اگلے دن ہماری دکان کا دروازہ توڑا۔ جنرل سٹور کا سارا سامان لوٹ کر توڑ کر چلے گئے۔ یہ توڑ پھوڑ لوٹ مار ہر روز کا معمول بنا ہوا تھا۔ احمدیوں کے گھروں پر پتھراؤ کیا جاتا۔ سب لوگ گھروں میں بند دعاؤں کا ورد کرتے رہتے۔ہمیں حضور کا حکم تھا کہ جگہ نہ چھوڑی جائے اور گالیوں کا جواب اشتعال میں آ کر ہرگز نہ دیا جائے۔ ادھر انہوں نے سوشل بائیکاٹ بھی کر دیا۔ مکانوں پر پہرے بٹھا دیئے کہ ان کے گھروں میں کھانے پینے کی اشیاء نہ جائیں۔ مگر خدا ہمارا رازق تھا، کسی نہ کسی طرح کھانے پینے کی اشیاء ہم تک پہنچ ہی جاتی تھیں۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ ربوہ سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے خدام کی ٹیمیں مختلف جگہ بھجوائی جاتی تھیں اور دوسرے علاقوں سے بھی، سرگودھا کے دیہات سے بھی لوگ آتے تھے۔بعض دوسرے ایسے علاقے جہاں نسبتاً امن تھا مثلاً سیالکوٹ وغیرہ۔ وہاں سے

بھی بہت مخلص نوجوان اپنے آپ کو پیش کرتے تھے اور دن رات ہمارا یہ کام تھا کہ مختلف علاقوں کی خبروں کے لئے ان کو استعمال کیا جائے۔ وہ ایسے بھیس بدل کر وہاں پہنچتے تھے جیسے شکل سے وہ احمدی پہچانے نہ جائیں اور بسا اوقات وہ اچانک ان کا گھیرا توڑ کر کھانے پینے کی اشیاء لے کر مظلوم گھروں تک پہنچ جایا کرتے تھے۔ پھر جب واپس آتے تھے تو اس حال میں کہ ان کے چہرے بگڑے ہوئے۔ ان کا حلیہ پہچانا نہیں جاتا تھا۔ ایک ایسا ہی قافلہ جو خدام کا احمدی مظلوم گھروں کو خوراک دینے کے لئے بھجوایا گیا تھا جب وہ واپس آیا تو مجھے یاد ہے۔ میں قصر خلافت سے نکل کر (بیت) مبارک میں نماز کے لئے جا رہا تھا رستے میں ایک بڑی بھیانک شکل کا آدمی مجھے نظر آیا جس کا منہ سوجا ہوا اور کپڑے پھٹے ہوئے لیکن مسکرا رہا تھا۔ میں حیران کہ اس کو اندر آنے کیوں دیا گیا۔ یہ ہے کون؟ تو جب اس سے پوچھا تو پتہ لگا کہ وہ ہمارا ہی بھیجا ہوا خادم تھا اور خوشی سے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کو یہ خبر دینے آیا تھا کہ خدا کے فضل سے ہم بھوکوں کو بھوک سے مرنے سے بچانے میں کامیاب ہوگئے ہیں اور بڑی دردناک کہانی تھی جس طرح ان نوجوانوں نے پتھر کھاتے، ماریں کھاتے، ان پر ڈنڈے برسائے جا رہے تھے مگر قوت کے ساتھ، زور کے ساتھ دوڑ کر ان گھروں تک پہنچ گئے اور ان بچوں کو جو بھوک سے بلک رہے تھے ان کو خوراک مہیا کی۔ بہت ہی عظیم دور تھا جس کی یادیں اتنی گہری اور اتنی عظیم ہیں کہ ان کے تصور سے ہی انسان کی روح پگھل جاتی ہے۔

کہتی ہیں ہمارا تمام کاروبار ختم ہوگیا۔ بچے چھوٹے چھوٹے تھے۔ بھوک سے روتے دیکھے نہ جاتے تھے مگر خدا کو ہمارا زندہ رہنا منظور تھا۔ شیر خوار بچے کے لئے دودھ کی بہت مشکل تھی۔ دودھ تو دودھ پانی بھی نہیں ملتا تھا۔

کہتی ہیں میرے میاں دکان پر تھے۔ جلوس آیا۔ پہلے پتھراؤ کیا۔ پھر ان کو دکان کے اندر بند کر دیا۔ ایک دن نہیں۔ کئی دن ایسا ہوتا رہے۔ پتھراؤ کرتے، سزا دیتے اور پھر اپنی ہی دکان میں تالا لگا کر چلے جاتے۔ سخت گرمی کے دن تھے جان کنی کی حالت ہوگئی۔ گھڑے میں تھوڑا سا پانی رہ گیا تھا۔ اس میں قمیص بھگو کر منہ اور جسم تر کرتے تا بیہوش نہ ہو جائیں۔ باہر اتنا شور پڑا ہوتا تھا کہ کچھ سنائی نہیں دیتا تھا۔ کہتی ہیں ایک دفعہ صبح آٹھ بجے سے شام کے پانچ بجے تک دکان میں بند رہے۔ بعد میں کسی نے اتفاق سے پولیس کو اطلاع کی اور کوئی شریف النفس پولیس والا ایسا تھا جو گاڑی لے کر آیا اور پھر ان کو گھر چھوڑ گیا۔ یعنی کئی دن تک بیوی نے اپنے خاوند کا منہ نہیں دیکھا اور نہ پتہ تھا کہ کس حال میں ہیں۔ روزانہ ان کو وہیں بند کر کے رکھا جاتا اور طرح طرح سے عذاب میں مبتلا کیا جاتا۔ کہتی ہیں جب بھی جلوس آتا سب لوگ گھروں میں ایک دوسرے سے چمٹ کر بیٹھ جاتے اور ہر وقت دعائیں کرتے رہتے تھے۔ پھر ہمیں اعصابی طور پر بیمار کرنے کے لئے ہمارے گھروں کے سامنے پٹاخے چھوڑے جاتے۔ ساری ساری رات ڈھول بجاتے۔ کبھی پٹاخے چھوڑتے، کبھی چیخیں مارتے، غرضیکہ بچے جو پہلے ہی سہمے ہوتے تھے ان کو دو گھڑی سکون کی نیند بھی نصیب نہیں ہوتی تھی۔ کہتی ہیں میں نے تو بعض دفعہ ساری ساری رات اسی حالت میں جاگ کر گزاری۔

رقیہ صاحبہ اہلیہ محمد اسحاق صاحب لکھتی ہیں۔ جون 74ء میں سرگودھا میں مخالفین نے ہمارے گھر پر حملہ کیا۔ پتھراؤ کیا لوٹا، کھڑکیاں اور دروازے توڑ دیئے۔ ان کا ارادہ رات کو آگ لگانے کا تھا۔ ہم ایک دوسرے گھر میں چلے گئے۔ مخالفین کو پتہ چلا وہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا اور مولویوں کو معلوم ہوا تو اس گھر کو بھی آگ لگانے کا منصوبہ بنایا گیا جو ایک غیر احمدی کا گھر تھا۔ مگر غالباً اس کے اثر ورسوخ کی وجہ سے یہ ارادہ بدل گیا۔ محلے والوں نے بائیکاٹ کر دیا۔ دکاندار سودا نہیں دیتا تھا اور پولیس نے گھر کی تلاشی کے بہانے قیمتی چیزیں چرا لیں۔ بھائی چھپ کر ضرورت کی چیزیں لاتے اور احمدیوں کے گھروں میں پہنچاتے۔ ایک دفعہ (مخالفین) نے دیکھ لیا اور پکڑ کر خوب مارا۔ مسجد لے گئے اور منہ اور کپڑے کالے کر دیئے۔ انہیں دنوں میرا چھوٹا بھائی سرگودھا سے ربوہ آ رہا تھا تو راستے میں بہت سے آدمیوں نے اسے مارنا شروع کر دیا اور ربوہ بس نہ روکی اور بس والا اسے دو پلوں سے گزار کر اس حالت میں کہ لوگ مارتے چلے جاتے تھے آخر چلتی ہوئی بس سے دھکا دے کر سڑک پر پھینک گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے بچایا اور اس کو زندگی بخشی غرضیکہ یہ وہ سختی کے دن تھے جن سے جماعت احمدیہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسی کے سہارے کے ساتھ زخمی مگر ایمان کو زندہ رکھتے ہوئے گزری۔

نسیمہ لطیف صاحبہ جمال پور سندھ لکھتی ہیں۔ 24 یا 25 مئی 1985ء کا دن تھا کہ عصر کی نماز کے بعد ہماری گوٹھ جمال پور کو سکھر کی پولیس نے گھیرے میں لے لیا اور میرے شوہر لطیف اور آپ کے والد کو بھی گرفتار کر کے لے گئے اور کہا جب تک ایوب نہیں ملتا آپ دونوں ہماری حراست میں رہیں گے۔ یہ ایوب اب خدا کے فضل سے انگلستان پہنچ چکا ہے۔ وہاں ٹھیک ٹھاک ہے سب کچھ۔ لیکن اس نے بہت سختیاں جھیلی ہیں آخر جب ایوب پکڑا گیا تو اس کو ساری ساری رات الٹا لٹکاتے تھے اور ساتھ ڈنڈوں، سوٹوں اور جوتیوں سے مارتے تھے اور کوئی جھوٹ بکوانا چاہتے تھے کہ بتاؤ وہ کون ہے جس نے ایک مدرسے کو آگ لگائی تھی یا بم وہاں پھینکا تھا۔ حالانکہ کسی احمدی کا کام نہیں تھا تو یہ جب کہتا تھا کہ مجھے علم ہی نہیں مجھے پتہ ہی نہیں یہ کیا واقعات ہیں کیوں ایسی باتیں میری طرف منسوب کر رہے ہو یا کسی اور کی طرف کر رہے ہو تو پھر مارتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ اسی حالت میں بیہوش ہو جاتا تھا اور میں نے جب انگلستان پہنچا ہے تو اس سے سوال کیا، ایوب سے کہ یہ چھوٹا بچہ تھا جب ہم گوٹھوں میں جایا کرتے تھے اس لئے تکلف سے ذکر کرنے کی بجائے میں ایک لڑکے کے طور پر ذکر کر رہا ہوں میں نے کہا ایوب تمہیں جب یہ ہو رہا تھا سب کچھ تو تم برداشت کس طرح کرتے تھے۔ تعجب ہے کہ تم میں اتنی برداشت تھی۔ تو اس نے بتایا کہ آپ کو جتنی تکلیف ہو رہی ہے مجھے اس سے کم ہو رہی تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کچھ اثر کر دیا تھا اس مار کے باوجود الٹا لٹکے ہوئے بھی مجھ میں تکلیف کا احساس ختم ہوگیا تھا اور پولیس والے بھی حیران ہوتے تھے کہ یہ شخص ہے کس چیز کا بنا ہوا؟ اتنا ہم اس کو تکلیف پہنچا رہے ہیں لیکن اس کو کچھ نہیں ہو رہا۔ تو دراصل یہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ بعض دفعہ خدا اس وقت غیر معمولی طور پر انسان کی حفاظت فرماتا ہے۔

یہی بات مجھے 1974ء کے فسادات کے دنوں میں ایک اور احمدی نے بتائی جن کو اینٹوں سے کوٹا گیا تھا۔ ان کا منہ جو تھا وہ کرچیوں کا ایک تھیلا بن چکا تھا۔ ہڈیاں ٹوٹیں، دانت ٹوٹے اور بہت ہی دردناک حالت تھی اور خدا نے بچا لیا۔ بعد میں جب سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہوگیا تو تب بھی ان کا منہ بیچارے کا اسی طرح زخموں سے بگڑا ہوا تھا۔ ان سے میں نے ایک دفعہ پوچھا کہ آپ مجھے بتائیں کہ اس وقت آپ کی حالت کیا تھی جب اس قدر خوفناک سزا دی جا رہی تھی اینٹوں سے منہ کوٹنا کوئی معمول بات تو نہیں ہے۔ تو مسکرا کے کہا کہ چپ ہی کر جائیں لوگ یہی سمجھتے ہیں میں نے بڑی قربانی کی ہے۔ مگر مجھے تو کچھ بھی نہیں پتہ لگا۔ اور اس وقت مجھے سمجھ آئی کہ لوگ شہادت کی دعائیں کیوں کرتے تھے۔ تکلیفیں اٹھا کر، زخم کھا کر، پھر کیوں شہادت کی دعائیں کیا کرتے تھے۔ خدا اپنے فضل کے ساتھ اس وقت ایسی تائید فرماتا ہے کہ انسان کو شدید زخموں کے باوجود وہ دکھ نہیں ہوتا جو دشمن سمجھتا ہے کہ اسے ہم پہنچا رہے ہیں۔ اب میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہر زخمی ہونے والے کی یہی کیفیت ہوگی مگر یہ ایسی دو گواہیاں ہیں جن کا میں خود گواہ ہوں اور بلا تکلف انہوں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ایسے موقع پر ہماری حفاظت فرماتا رہا ہے۔

چنانچہ لکھتی ہیں سندھیوں کی طرف سے ہمیں پیغام آنے شروع ہوئے کہ ہم آپ کے گھروں اور بچوں کی حفاظت کرنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن نسیمہ نے انہیں جواب دیا کہ ہم اپنے گھروں کی حفاظت خود کریں گے۔ چنانچہ وہ کہتی ہیں کہ ہم نے خود پہرے دیئے۔ لطیف صاحب اور والد صاحب کی طرف سے بہت پریشانی تھی کہ نامعلوم کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں۔ ان کے ساتھ 27 اور احمدیوں کو بھی گرفتار کر کے لے گئے۔ سکھر کے حالات سنگین صورت اختیار کر گئے۔ احمدیوں کی آزادی سلب ہوگئی گیارہ احمدی شہید ہوگئے۔ ان حالات میں سکھر کی نئی قیادت کی ضرورت تھی وہ کہتی ہیں کہ اس وقت میرے شوہر لطیف کے سوا کوئی اور ایسی چیز نہیں تھی جو میں دین کے لئے پیش کر سکتی اور میں نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ یہ توفیق دے کہ میں اپنا پیارا خاوند دین کے لئے پیش کر دوں۔ کہتی ہیں ایسی یہ دعا میری قبول ہوئی کہ ان شدید خطرات کے دنوں میں جبکہ سکھر جانا ہی ایک احمدی کے لئے خطرے کا موجب تھا ان کے میاں کو سکھر کا امیر مقرر کر دیا گیا اور ان کو لازماً اپنا زمیندارہ چھوڑ کر سکھر جانا پڑا اور یہ نسیمہ بھی ان کے ساتھ وہاں رہیں۔

کیونکہ میں اس زمانے میں ان سب لوگوں سے رابطے رکھتا تھا اور میری خدمات میں اولین خدمت ان حادثات سے متاثر ہونے والوں کے لئے وقف تھیں۔ اس لئے میں جانتا ہوں کہ ان کے ساتھ میرا مسلسل رابطہ رہا اور بڑے حوصلے اور ہمت سے نسیمہ اور ان کے والد اور لطیف کے والد اور پھر ان کے بچوں نے غیر معمولی بہادری اور ہمت سے احمدیت کی خاطر اپنے دوسرے مظلوم بھائیوں کی حفاظت کی اور ان کے مقدمے لڑے اور ان کی ضرورتیں پوری کیں اور اللہ تعالیٰ نے پھر اپنے فضل سے ان کو بھی خطرات سے بچا لیا۔

ایک دفعہ انہوں نے مجھے لکھا کہ ہمارے گھروں پر موت کے نشان لگ چکے ہیں اور حملہ آور بھی آتے رہے ہیں اور ہمیں متنبہ کر دیا گیا ہے کہ اب تمہاری زندگی کے چند دن رہ گئے ہیں اور ساتھ ہی مجھے تسلی دی کہ آپ بالکل مطمئن رہیں، ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ جو مرضی کرنا ہے کریں ہم ایک ذرہ بھی اس جگہ سے نہیں ہٹیں گے۔ جو منصب جماعت نے ہمارے سپرد کیا ہے ہم اس پر قائم رہیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو منصب پر بھی قائم رکھا اور ان کی حفاظت بھی فرمائی۔

یہ خود بیان کرتی ہیں، اس قسم کی دھمکیوں کے متعلق کہتی ہیں ایک دن گیٹ پر ایک نامعلوم خط پڑا ملا۔ ایسے ہی خطوط پہلے شہداء کو بھی لکھے جاتے تھے۔ جو گیارہ شہید ہوئے تھے ان میں سے کچھ تو اکٹھے ایک جگہ شہید ہوئے تھے کچھ کو پہلے خط ملتا تھا اور بتایا جاتا تھا کہ تمہاری موت سر پر کھڑی ہے ابھی توبہ کر لو اور جب وہ ثابت قدم رہتا تھا تو پھر عین وقت مقررہ پر اسی طرح شہید کیا جاتا تھا۔ کہتی ہیں ایک دفعہ میں نے دروازہ کھولا تو میرے دروازے پر بھی وہ خط پڑا ہوا تھا۔ خط ہاتھ میں پکڑے ہوئے میرا جسم کانپ رہا تھا۔ دکھ کی شدت سے وہاں کھڑے کھڑے

بے ساختہ انتہائی گریہ وزاری سے اپنے مولا کے حضور التجا کی کہ یا باری تعالیٰ اتنی جلدی! تین چار سال اور تو ہمیں خدمت کا موقع دیا ہوتا۔ اللہ نے ہی پھر حفاظت فرمائی اور وہ خط بے اثر رہا۔

خورشید بیگم صاحبہ اہلیہ محمد زمان صاحب لکھتی ہیں میں نے شروع سے ہی احمدیت کی راہ میں بہت تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ بہت ظلم برداشت کئے ہیں۔ چنیوٹ میں ہماری رہائش تھی۔ ایک دفعہ جلوس کی شکل میں مخالفین اکٹھے ہو کر آ گئے اور گھر کو آگ لگانے کی کوشش کی۔ ہمسایوں نے بڑی بہادری سے دفاع کیا اور اللہ نے اپنے فضل سے ہمیں محفوظ رکھا۔

یہ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ اکثر جگہ یہ دیکھا گیا ہے کہ غیر احمدی شرفاء نے اپنے ہمسایوں کی اگر ظاہری نہیں تو خفیہ مدد ضرور کی ہے۔ یہ اس لئے میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ ساری قوم کو ہم ملزم نہیں کر سکتے، ساری قوم مجرم نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں شدید ترین مخالفت کے دوران بھی شرافت کی رگ ضرور زندہ رہی ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو احمدیوں کے اوپر جوان کے بد ارادے تھے ان کا بہت بھیانک نتیجہ نکل سکتا تھا۔ میں نے چونکہ بعد میں تاریخ اکٹھی کرنے کی خاطر وقف جدید کے زمانے میں اپنے معلم بھیج کر انسپکٹر بھیج کر یا ویسے جماعتوں کو لکھ کر حالات اکٹھے کرنے شروع کئے تو اس دوران مجھے معلوم ہوا کہ بہت سے غیر (از جماعت) شرفاء ایسے تھے جنہوں نے خود اپنی جان پر خطرہ مول لینے کے باوجود اپنے احمدی ہمسایوں کو بچانے کی کوشش کی۔ اس لئے میں نے تاکید کی تھی کہ عامۃ الناس کے خلاف کوئی بد دعا نہیں کرنی۔ انہی میں بڑے بڑے قیمتی جوہر چھپے ہوئے ہیں اور اللہ توفیق عطا فرمائے گا تو ان جان لینے والوں میں سے جان قربان کرنے والے کثرت سے نکلیں گے۔ آپ سب لوگ بھی تو اسی معاشرے سے نکل کر آئے ہیں......

اب میں باقی واقعات کو سردست چھوڑ دیتا ہوں کیونکہ وقت کافی ہو چکا ہے اور جو میرا مقصد تھا وہ میں نے کھول کر بیان کر دیا ہے۔ ان واقعات کو زندہ رکھنا ہمارا فرض ہے، ہماری ذمہ داری ہے اور یہ ہمارا قرض ہے ان شہیدوں اور ان خدا کی راہ میں تکلیفیں اٹھانے والوں پر لیکن اگر ہم اس قرض کو ادا کریں گے اور جیسا کہ میں نے آپ سے بیان کیا ہے خدا کی محبت میں سرشار ہو کر اس جذبہ قربانی کو اپنا لیں گے تو آئندہ نسلوں پر ہم احسان کرنے والے ہوں گے۔ ہم ایک ایسی قوم بن جائیں گے جو شہیدوں کی طرح ہمیشہ زندگی رہتی ہے۔ اللہ ہمیں ابد الآباد تک زندہ رکھے۔ اب آیئے دعا میں شامل ہو جائیں۔

(الفضل سالانہ نمبر 1998ء)

☆..........☆..........☆

ادار یہ

حضرت مسیح موعود کا اخلاقی اعجاز۔ سچائی کا قیام

حضور کی راستبازی کی گواہی مقدمہ مارٹن کلارک میں آپ کے وکیل کی زبان سے

حضرت مسیح موعود پر 1897ء میں پادری مارٹن کلارک نے اقدام قتل کا مقدمہ دائر کیا۔ اس میں مولوی محمد حسین صاحب ان کے گواہ کے طور پر پیش ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے کیپٹن ڈگلس کو حق کے مطابق فیصلہ کرنے کی توفیق دی۔

اس مقدمہ میں حضرت مسیح موعود کے کئی اخلاقی جوہر کھل کر ظاہر ہوئے جس کی گواہی آپ کے غیر احمدی وکیل نے بھی دی اور اس نے اسے بھری مجلس میں بیان کیا۔ حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب بیان کرتے ہیں کہ میرے ایک مخلص ہم عصر لالہ دینا ناتھ ایڈیٹر ہندوستان تھے۔ وہ ہمیشہ میرا بزرگانہ احترام کرتے تھے۔ جولائی 1934ء میں مجھے لاہور جانے کا اتفاق ہوا۔ میرے ساتھ سید دلاور شاہ صاحب بخاری بھی تھے۔ وہ حسب معمول نہایت محبت اور اکرام سے ملے اور اثنائے گفتگو میں میرے کسی استفسار کے بغیر انہوں نے کہا کہ

''آپ کو معلوم ہے کہ میرے دل میں مرزا صاحب کی کس قدر عظمت ہے؟ میں ان کا مقام اور مرتبہ بہت عظیم الشان سمجھتا ہوں۔ اگرچہ ان کے دعاوی کے متعلق علم النفس کی رو سے میں یہ جانتا ہوں کہ ان کو سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ لیکن ایک مہاپرش اور روحانی آدمی کے لحاظ سے بہت بڑے مرتبہ کے انسان تھے اور میرا یہ عقیدہ ان کے متعلق ایک واقعہ سے ہوا۔ حکیم غلام نبی زُبْدَةُ الْحُكَمَاء کو آپ جانتے ہیں اور مولوی فضل الدین صاحب کو بھی۔ حکیم صاحب کے مکان پر اکثر دوستوں کا اجتماع شام کو ہوا کرتا تھا میں بھی وہاں چلا جاتا تھا۔ ایک روز وہاں کچھ احباب جمع تھے اتفاق سے مرزا صاحب کا ذکر آ گیا۔ ایک شخص نے ان کی مخالفت شروع کی لیکن ایسے رنگ میں کہ وہ شرافت و اخلاق کے پہلو سے گری ہوئی تھی۔ مولوی فضل الدین صاحب کو یہ سن کر بہت جوش آ گیا۔ اور انہوں نے بڑے جذبہ سے کہا کہ میں مرزا صاحب کا مرید نہیں ہوں ان کے دعاوی پر میرا اعتقاد نہیں اس کی وجہ خواہ کچھ ہو۔ لیکن مرزا صاحب کی عظیم الشان شخصیت اور اخلاقی کمال کا قائل ہوں۔ میں وکیل ہوں اور ہر قسم کے طبقہ کے لوگ مقدمات کے سلسلہ میں میرے پاس آتے ہیں اور ہزاروں کو میں نے اس سلسلہ میں دوسرے وکیلوں کے ذریعہ بھی دیکھا ہے۔ بڑے بڑے نیک نفس آدمی جن کے متعلق کبھی وہم بھی نہیں آ سکتا تھا کہ وہ کسی قسم کی نمائش یا ریاکاری سے کام لیں گے۔ انہوں نے مقدمات کے سلسلے میں اگر قانونی مشورہ کے ماتحت اپنے بیان کو تبدیل کرنے کی ضرورت سمجھی بلاتامل بدل دیا۔ لیکن میں نے اپنی عمر میں مرزا صاحب کو ہی دیکھا ہے جنہوں نے سچ کے مقام سے قدم نہیں ہٹایا میں ان کے ایک مقدمہ میں وکیل تھا۔ (پادری ہنری مارٹن کلارک والا مقدمہ) اس مقدمہ میں میں نے ان کے لئے ایک قانونی بیان تجویز کیا اور ان کی خدمت میں پیش کیا انہوں نے اسے پڑھ کر کہا کہ اس میں تو جھوٹ ہے میں نے کہا کہ 'ملزم کا بیان حلفی نہیں ہوتا اور قانوناً اسے اجازت ہے کہ جو چاہے وہ بیان کرے۔'' اس پر آپ نے فرمایا ''قانون نے تو اسے یہ اجازت دے دی ہے کہ جو چاہے بیان کرے مگر خدا تعالیٰ نے تو اجازت نہیں دی کہ وہ جھوٹ بھی بولے اور نہ قانون ہی کا یہ منشاء ہے۔ پس میں کبھی ایسے بیان کے لئے آمادہ نہیں ہوں۔ جس میں واقعات کا خلاف ہو۔ میں صحیح صحیح امر پیش کروں گا۔'' مولوی صاحب کہتے تھے کہ میں نے کہا کہ ''آپ جان بوجھ کر اپنے آپ کو بلا میں ڈالتے ہیں۔'' انہوں نے فرمایا ''جان بوجھ کر بلا میں ڈالنا یہ ہے کہ میں قانونی بیان دے کر ناجائز فائدہ اٹھانے کے لئے اپنے خدا کو ناراض کر لوں یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ خواہ کچھ بھی ہو۔'' مولوی فضل الدین صاحب کہتے تھے کہ یہ باتیں مرزا صاحب نے ایسے جوش سے بیان کیں کہ ان کے چہرہ پر ایک خاص قسم کا جلال اور جوش تھا۔ میں نے یہ سن کر کہا کہ پھر آپ کو میری وکالت سے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ

''میں نے کبھی وہم بھی نہیں کیا کہ آپ کی وکالت سے فائدہ ہو گا یا کسی اور شخص کی کوشش سے فائدہ ہو گا اور نہ میں سمجھتا ہوں کہ کسی کی مخالفت مجھے تباہ کر سکتی ہے۔ میرا بھروسہ تو خدا پر ہے جو میرے دل کو دیکھتا ہے۔ آپ کو وکیل اس لئے کیا ہے کہ رعایت اسباب ادب کا طریق ہے اور میں چونکہ جانتا ہوں کہ آپ اپنے کام میں دیانت دار ہیں اس لئے آپ کو مقرر کر لیا ہے۔''

مولوی فضل الدین صاحب کہتے تھے کہ میں نے پھر کہا کہ میں تو یہی بیان تجویز کرتا ہوں۔ مرزا صاحب نے کہا کہ

''نہیں جو بیان میں خود لکھتا ہوں نتیجہ اور انجام سے بے پرواہ ہو کر وہی داخل کر دو۔ اس میں ایک لفظ بھی تبدیل نہ کیا جاوے اور میں پورے یقین سے آپ کو کہتا ہوں کہ بمقابلہ آپ کے قانونی بیان سے وہ زیادہ مؤثر ہو گا اور جس نتیجہ کا آپ کو خوف ہے وہ ظاہر نہیں ہو گا بلکہ انجام انشاء اللہ بخیر ہو گا اور اگر فرض کر لیا جاوے کہ دنیا کی نظر میں انجام اچھا نہ ہو یعنی مجھے سزا ہو جاوے تو مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ کیونکہ میں اس وقت اس لئے خوش ہوں گا کہ میں نے اپنے رب کی نافرمانی نہیں کی۔'' لالہ دینا ناتھ کہتے تھے کہ مولوی فضل الدین صاحب نے بڑے جوش اور اخلاص سے اس طرح پر مرزا صاحب کا ڈیفنس پیش کیا اور کہا کہ انہوں نے پھر قلم برداشتہ اپنا بیان لکھ دیا اور خدا کی عجیب قدرت ہے کہ جیسا کہ وہ کہتے تھے اسی بیان پر وہ بری ہو گئے۔ مولوی فضل الدین صاحب نے ان کی راستبازی اور راستبازی کے لئے ہر قسم کی مصیبت کو قبول کر لینے کی جرأت اور بہادری کا ذکر کر کے حاضرین مجلس پر ایک کیف آور حالت پیدا کر دی۔ اس پر بعض نے پوچھا کہ آپ پھر مرید کیوں نہیں ہو جاتے۔ تو انہوں نے کہا کہ یہ میرا ذاتی فعل ہے اور تمہیں یہ حق نہیں کہ سوال کرو۔ **میں انہیں ایک کامل راستباز یقین کرتا ہوں اور میرے دل میں ان کی بہت بڑی عظمت ہے۔''**

لالہ دینا ناتھ نے یہ قصہ بیان کرنے کے بعد کہا کہ اس دن سے میرے دل میں بھی ان کی عظمت ایک روحانی مہاپرش کے ہے۔ گو میں ان کے دعاوی کو یہ سمجھتا ہوں کہ نفس انسانی کی ترقیات میں ایسے مغالطہ لگ جایا کرتے ہیں۔

(الحکم 14 نومبر 1934ء صفحہ 4)

نماز جنازہ حاضر و غائب

مکرم منیر احمد جاوید صاحب پرائیویٹ سیکرٹری لندن تحریر کرتے ہیں کہ مورخہ 31 جنوری 2017ء کو نماز ظہر سے قبل حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے بیت الفضل لندن میں درج ذیل افراد کی نماز جنازہ حاضر و غائب پڑھائی۔

نماز جنازہ حاضر

مکرم ملک احمد شیر مجوکہ صاحب

مکرم ملک احمد شیر مجوکہ صاحب آف لندن مورخہ 25 جنوری 2017ء کو 76 سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ آپ کا تعلق حویلی مجوکہ ضلع سرگودھا سے تھا اور گزشتہ چھ سال سے اپنے بیٹے کے پاس لندن میں مقیم تھے۔ نمازوں کے پابند، بہت مخلص، باوفا اور ہمدرد انسان تھے۔ تلاوت قرآن کریم ہر روز کا معمول تھا اور اپنے اہل خانہ اور بچوں کو بھی اس کی تلقین کیا کرتے تھے۔ مقامی جماعت میں امام الصلوٰۃ اور زعیم انصاراللہ کی حیثیت سے خدمت کی توفیق پائی۔ حویلی مجوکہ میں مربی ہاوس بھی آپ نے تعمیر کروایا۔ پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ دو بیٹیاں اور ایک بیٹا یادگار چھوڑے ہیں۔

نماز جنازہ غائب

مکرم منشی محمد اقبال صاحب

مکرم منشی محمد اقبال صاحب آف کنری سندھ مورخہ 24 جنوری 2017ء کو 77 سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ آپ کے والد محترم چوہدری محمد اسماعیل صاحب نے 1926ء میں بیعت کی توفیق پائی۔ آپ کی والدہ عائشہ بی بی صاحبہ کے خاندان کا حضرت مسیح موعود سے ایک خاص تعلق تھا۔ چنانچہ ربوہ قیام کے دوران آپ کا بھی ایک ذاتی تعلق خلیفۃ المسیح اور خاندان حضرت اقدس مسیح موعود سے بن گیا اور پھر جتنا عرصہ بھی وہاں رہے آپ ان سے نہایت عقیدت اور احترام سے ملا کرتے تھے۔ آپ 1960ء میں سندھ گئے اور ناصر آباد فارم پر بطور منشی کام کا آغاز کیا۔ بعدازاں آپ کو سندھ کاٹن جیننگ فیکٹری میں ملازمت کی بھی توفیق ملی۔ سندھ میں تحریک جدید انجمن احمدیہ کی زمین پر کافی لمبا عرصہ بطور نگران رہے۔ 1984ء میں کلمہ مہم کے دوران آپ کو اسیر رہنے کی بھی توفیق ملی۔ بطور سیکرٹری جائیداد کنری اور سیکرٹری تحریک جدید ضلع عمر کوٹ خدمت کی توفیق ملی۔ آپ کو خلافت سے بے پناہ محبت تھی۔ آپ کو متعدد بار جلسہ سالانہ برطانیہ میں شرکت کی توفیق ملی۔ آپ میں مہمان نوازی کا وصف بہت نمایاں تھا۔ مرحوم موصی تھے۔ پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ تین بیٹیاں اور پانچ بیٹے یادگار چھوڑے ہیں۔ آپ کے ایک بیٹے مکرم محمود احمد انجم صاحب مربی سلسلہ ہیں اور آجکل تاجکستان میں خدمت کی توفیق پا رہے ہیں۔

مکرم منشی حنیف احمد بھٹی صاحب

مکرم منشی حنیف احمد بھٹی صاحب ناصر آباد فارم سندھ حال ربوہ مورخہ 18 جنوری 2017ء کو ہارٹ اٹیک سے 59 سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ ناصر آباد فارم سندھ چلے گئے۔ جہاں پر آپ نے 18 سال تک بحیثیت منشی ناصر آباد فارم اپنی ذمہ داری احسن رنگ میں نبھائی۔ آپ محمد لطیف بھٹی صاحب کے بیٹے اور چوہدری محمد علی بھٹی صاحب کے بھتیجے تھے۔ مرحوم اللہ تعالیٰ کے فضل سے موصی تھے۔ پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ ایک بیٹی اور پانچ بیٹے یادگار چھوڑے ہیں۔ آپ کے ایک بیٹے مکرم توصیف احمد بھٹی صاحب طاہر ہارٹ انسٹیٹیوٹ میں بطور کارکن خدمت بجالا رہے ہیں۔

15 فروری 2017ء

مورخہ 15 فروری 2017ء کو نماز ظہر سے قبل حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے بیت الفضل لندن میں درج ذیل افراد نماز جنازہ حاضر و غائب پڑھائی۔

نماز جنازہ حاضر

مکرم سمیع اللہ ناصر صاحب

مکرم سمیع اللہ ناصر صاحب ابن مکرم ہدایت اللہ بنگوی صاحب مرحوم یوکے مورخہ 12 فروری 2017ء کو 79 سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ آپ حضرت مولوی رحمت اللہ صاحب رفیق حضرت مسیح موعود کے پوتے اور مکرم ہدایت اللہ بنگوی صاحب سابق افسر جلسہ سالانہ یوکے کے بیٹے تھے۔ آپ 1951ء میں لندن آئے۔ آئرلینڈ کی Galway جماعت کے ابتدائی ممبر بھی رہے۔ آپ نے یوکے میں بروک ووڈ قبرستان حاصل کرنے میں بڑی مدد کی۔ نیز شعبہ رشتہ ناطہ سے بھی وابستہ رہے۔ آپ نے اپنے دادا اور اپنے والد کی سیرت پر دو کتابیں بھی تصنیف کیں۔

نماز جنازہ غائب

مکرم چوہدری فضل الٰہی عارف صاحب

مکرم چوہدری فضل الٰہی عارف صاحب ریٹائرڈ مربی سلسلہ ربوہ آپ مورخہ 2 فروری 2017ء کو بقضائے الٰہی وفات پا گئے۔ آپ کے دادا حضرت چوہدری خیر الدین صاحب اور دادی حضرت سلطان بی بی صاحبہ دونوں حضرت مسیح موعود کے رفقاء میں سے تھے۔ تقسیم ملک کے بعد آپ کا خاندان گھسیٹ پورہ ضلع فیصل آباد میں آباد ہوا۔ آپ نے جامعہ سے شاہد کا امتحان 1970ء میں پاس کیا۔ 1975ء میں آپ کا سارا خاندان ربوہ منتقل ہو گیا۔ آپ گوجرانوالہ، راولپنڈی اور سانگھڑ کے علاوہ سیرالیون میں بطور مربی سلسلہ خدمت بجالاتے رہے۔ سیرالیون سے واپسی پر ربوہ میں نظارت اصلاح وارشاد، نظارت امور عامہ اور رشتہ ناطہ میں خدمت کی توفیق پائی۔ آپ بہت دعا گو، شریف النفس، کم گو اور دھیمے مزاج کے مالک تھے۔ غرباء کا خاص خیال رکھتے تھے۔ چندہ جات اور مالی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ مرحوم موصی تھے۔ پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ تین بیٹے یادگار چھوڑے ہیں۔

مکرم داؤد ساؤ صاحب

مکرم داؤد ساؤ صاحب لوکل مربی سلسلہ گنی بساؤ اور گیمبیا مورخہ 20 جنوری 2017ء کو وفات پا گئے۔ آپ گنی بساؤ کے مربیان کے پہلے batch میں سے تھے۔ جن کو جامعۃ المبشرین گھانا میں ٹریننگ کیلئے بھجوایا گیا۔ صوم وصلوٰۃ کے پابند، بہت ملنسار، خوش اخلاق، نیک اور مخلص انسان تھے۔ اپنے کام کی ماہانہ رپورٹ بڑی باقاعدگی سے سب سے پہلے دیا کرتے تھے۔ مرحوم موصی تھے۔ پسماندگان میں دو بیویاں اور چار بچے یادگار چھوڑے ہیں۔

مکرمہ طاہرہ اقبال صاحبہ

مکرمہ طاہرہ اقبال صاحبہ اہلیہ مکرم مظفر احمد اقبال صاحب قادیان آپ 18 جنوری 2017ء کو حرکت قلب بند ہونے سے 57 سال کی عمر میں وفات پا گئیں۔ آپ حضرت قاضی زین العابدین صاحب رفیق حضرت مسیح موعود کی پڑپوتی اور مکرم چوہدری صدیق احمد صاحب کی بیٹی تھیں۔ آپ حلقہ دارالسلام قادیان میں لجنہ کی سیکرٹری تجنید کی حیثیت سے خدمت بجالاتی رہیں۔ ہر دینی مجلس میں سب سے پہلے حاضر ہوتی تھیں۔ بچوں کی بھی بہت عمدہ رنگ میں تربیت کی۔ نماز کی پابند اور اچھے اخلاق کی مالک، نیک اور مخلص خاتون تھیں۔ مرحومہ موصیہ تھیں۔

مکرم عبدالشکور بھٹی صاحب

مکرم عبدالشکور بھٹی صاحب ابن مکرم عبدالرحمٰن بھٹی صاحب، جرمنی مورخہ 31 جنوری 2017ء کو بقضائے الٰہی وفات پا گئے۔ آپ صوم وصلوٰۃ کے پابند، بہت شفیق، ہمدرد، مخلص اور باوفا انسان تھے۔ خلافت اور خاندان حضرت مسیح موعود سے والہانہ لگاؤ رکھتے تھے۔ جرمن لوگ بھی آپ کے کردار سے بہت متاثر تھے۔ آپ کو دعوت الی اللہ کا بہت شوق تھا۔ محترم ہدایت اللہ ہیوبش صاحب سے مل کر آپ نے کئی دعوت الی اللہ کی نشستوں کا اہتمام کیا۔ قرآن کریم کی تلاوت بڑی باقاعدگی سے کرتے اور حضرت مسیح موعود کی تمام کتب کا مطالعہ کیا ہوا تھا۔ آپ کو کئی بیماریاں لاحق تھیں مگر آپ نے بڑے صبر اور حوصلہ سے ان کا مقابلہ کیا اور کبھی شکوہ نہیں کرتے تھے۔ اکثر یہ شعر آپ کی زبان پر جاری رہتا تھا کہ

ہو فضل تیرا یارب یا کوئی ابتلا ہو۔ راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تیری رضا ہو۔

پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ چار بیٹیاں اور ایک بیٹا یادگار چھوڑے ہیں۔ آپ مکرم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب کے سمدھی تھے۔

مکرم الحاج محمود احمد عودہ صاحب

مکرم الحاج محمود احمد عودہ صاحب آف کبابیر مورخہ 25 دسمبر 2016ء کو 88 سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ آپ پیدائشی احمدی تھے۔ ماضی میں صدر جماعت کبابیر رہ چکے ہیں۔ دعوت الی اللہ کا بہت شوق تھا۔ دعوت الی اللہ کے سفروں کا اہتمام کرتے تھے۔ آپ کو اولاد کی طرف سے شدید ابتلاء آئے مگر بڑے صبر اور حوصلے کے ساتھ انہیں برداشت کیا اور ہمیشہ خلافت کے ساتھ محبت و وفا کا تعلق رکھا۔ تین سال قبل بیماری کے باوجود جلسہ سالانہ یوکے میں شمولیت اختیار کی اور حضور انور سے شرف ملاقات حاصل کیا۔ 1981ء میں قادیان کا سفر بھی کیا۔ مرحوم موصی تھے۔

مکرم ملک منور احمد صاحب

مکرم ملک منور احمد صاحب اسلام آباد پاکستان مورخہ 31/اگست 2016ء کو 68 سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ آپ کو 8 سال سے زائد عرصہ بطور معتمد وقائد ضلع سرگودھا خدمت کی توفیق ملی۔ ربوہ میں ہونے والے سالانہ گھوڑ دوڑ ٹورنامنٹ میں ضلع سرگودھا کی طرف سے شامل ہوکر اوّل انعام حاصل کرتے رہے۔ 1974ء کے پُرخطر حالات میں خلیفہ وقت سے براہ راست راہنمائی حاصل کرتے ہوئے بڑی ہمت اور جوانمردی سے ضلع سرگودھا میں خدمت کی توفیق پائی۔ خلافت کے ساتھ محبت و وفا کا تعلق تھا۔ اسلام آباد میں دوران ملازمت 15 سال سے زائد عرصہ تک اپنے حلقہ میں بطور سیکرٹری مال خدمت کی توفیق پائی۔ صوم وصلوٰۃ کے پابند، تہجد گزار، باقاعدگی سے تلاوت قرآن کریم کرنے والے، دعا گو، ہمدرد، نہایت خوش مزاج اور مخلص انسان تھے۔ مرحوم موصی تھے۔

مکرم چوہدری محمد رشید صاحب

مکرم چوہدری محمد رشید صاحب اسلام آباد پاکستان مورخہ 17 جنوری 2017ء کو بقضاء الٰہی وفات پا گئے۔ آپ صوم وصلوٰۃ کے پابند، تہجد گزار، بہت نیک اور مخلص انسان تھے۔ خلافت سے عشق کا گہرا تعلق رکھتے تھے۔ اردو، عربی اور فارسی زبانوں پر دسترس رکھتے تھے۔ مرحوم موصی تھے اور وصیت کا چندہ بڑی باقاعدگی اور اہتمام کے ساتھ ادا کیا کرتے تھے۔ ان کے بیٹے مکرم ڈاکٹر محمد بشیر چوہدری صاحب واقف زندگی ہیں اور آجکل گھانا کے ایک احمدیہ ہسپتال میں خدمت کی توفیق پا رہے ہیں۔

مکرم محمد ریاض سیفی صاحب

مکرم محمد ریاض سیفی صاحب آف جرمنی مورخہ 31 جنوری 2017ء کوطویل علالت کے بعد بقضائے الٰہی وفات پا گئے۔ آپ حضرت میاں جان محمد صاحب رفیق حضرت مسیح موعود کے نواسے تھے۔ 1976ء میں جرمنی آئے اور پھر کچھ عرصہ کے لئے امریکہ چلے گئے لیکن بعد میں واپس جرمنی آ گئے۔ نیشنل سیکرٹری وقف جدید کے علاوہ آپ نے ایڈیشنل سیکرٹری مال اور قائد مال انصاراللہ کے طور پر بھی خدمت کی توفیق پائی۔ جرمنی کی دو جماعتوں Nuernberg اور Eschersheim میں بطور صدر جماعت بھی خدمت بجالاتے رہے۔ صوم وصلوٰۃ کے پابند، تہجد گزار، کثرت سے قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے، ایک نیک اور ہر دلعزیز انسان تھے۔ خلافت سے گہرا تعلق تھا۔ کتب حضرت مسیح موعود کے علاوہ سلسلہ کے دیگر لٹریچر اور کتب کا مطالعہ بڑے شوق سے کرتے تھے۔ مرحوم موصی تھے۔ پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ دو بیٹیاں اور دو بیٹے یادگار چھوڑے ہیں۔

مکرمہ سیدہ امۃ القیوم ظفر صاحبہ

مکرمہ سیدہ امۃ القیوم ظفر صاحبہ آف دارالشکر جنوبی ربوہ مورخہ 10 نومبر 2016ء کو 66 سال کی عمر میں وفات پا گئیں۔ آپ 1984ء تک جماعت معین الدین پور ضلع گجرات میں مقیم رہیں۔ ربوہ آنے پر دارالنصر وسطی میں بطور سیکرٹری ناصرات اور معاون سیکرٹری وقف نو خدمت کی توفیق پائی۔ مرحومہ موصیہ تھیں اور چندہ جات کی ادائیگی میں ہمیشہ پہل کیا کرتی تھیں۔

مکرم مبارک احمد صاحب

مکرم مبارک احمد صاحب ابن مکرم عمر حیات صاحب ربوہ 28 رمضان المبارک کو 71 سال کی عمر میں وفات پاگئے۔ آپ تمام چندہ جات باقاعدگی سے ادا کیا کرتے تھے۔ 1978ء میں آپ شیخوپورہ سے ننکانہ شفٹ ہوئے اور وہاں صدر جماعت کی حیثیت سے خدمت کی توفیق پائی۔ خلافت سے گہرا تعلق رکھنے والے، ہمدرد، مہمان نواز، بہت سی خوبیوں کے مالک، نیک اور مخلص انسان تھے۔ 1984ء سے 1991ء تک ادارہ تعمیرات میں ملازمت کی۔ نو سال جرمنی میں رہے جہاں قیام کے دوران مختلف جماعتی خدمات بجالاتے رہے اور وہاں سے واپسی پر IAAAE کے ربوہ چیپٹر کے فعال ممبر رہے اور جماعت کے مختلف تعمیراتی پراجیکٹس میں خدمت بجالاتے رہے۔ 2008ء میں قادیان میں وقف عارضی کی توفیق پائی اور اس دوران بیت اقصیٰ کی تعمیر وتوسیع کے کام میں بھی خدمت کرنے کا موقعہ ملا۔

مکرمہ ناصرہ خانم صاحبہ

مکرمہ ناصرہ خانم صاحبہ ربوہ اگست 2016ء میں 47 سال کی عمر میں وفات پاگئیں۔ آپ صوم و صلوٰۃ کی پابند، باقاعدگی سے قرآن پاک کی تلاوت کرنے والی، دعاگو، ضرورت مندوں کا خیال رکھنے والی بہت نیک اور مخلص خاتون تھیں۔ اپنے حلقہ میں بطور سیکرٹری ناصرات وممبر اصلاحی کمیٹی خدمت کی توفیق پائی۔ خلافت کے ساتھ دلی وابستگی تھی۔ چندہ جات میں بہت باقاعدہ تھیں۔

مکرم چوہدری بشیر احمد صاحب

مکرم چوہدری بشیر احمد صاحب گجرات حال ربوہ مورخہ 13 ستمبر 2016ء کو 87 سال کی عمر میں وفات پاگئے۔ آپ پنجوقتہ نمازوں کے پابند، تہجد گزار، دعاگو، بہت مخلص اور باوفا انسان تھے۔ خلافت کے ساتھ عشق و وفا کا تعلق تھا۔ تقریباً 30 سال بطور سیکرٹری اور پھر بطور صدر جماعت خدمت کی توفیق پائی۔ نہایت خلیق، ملنسار، غریبوں کے ہمدرد، لین دین کے کھرے اور سچے انسان تھے۔

مکرمہ زرینہ بیگم صاحبہ

مکرمہ زرینہ بیگم صاحبہ کراچی مورخہ 6 ستمبر 2016ء کو 74 سال کی عمر میں وفات پا گئیں۔ آپ پنجوقتہ نمازوں کی پابند، تہجد گزار، دعاگو، خلافت اور نظام جماعت سے والہانہ محبت رکھنے والی مخلص خاتون تھیں۔ مرحومہ موصیہ تھیں۔ چندوں کے لئے بہت فکرمند رہتی تھیں اور بروقت ادائیگی کیا کرتی تھیں۔

مکرم رانا بشیر احمد نون صاحب

مکرم رانا بشیر احمد نون صاحب ملتان مورخہ 25 جون 2016ء کو 82 سال کی عمر میں وفات پاگئے۔ آپ وکالت کے پیشہ سے منسلک تھے اور اس سلسلہ میں احباب جماعت کی ہمیشہ ہر ممکن مدد اور راہنمائی کیا کرتے تھے۔ آپ بہت سخی، صفائی پسند، صابر و شاکر، مہمان نواز اور غریب پرور انسان تھے۔

مکرم چوہدری بشیر احمد بھٹی صاحب

مکرم چوہدری بشیر احمد بھٹی صاحب 37 جنوبی سرگودھا حال مقیم دارالعلوم غربی صادق ربوہ مورخہ 29/اگست 2016ء کو بقضائے الٰہی وفات پاگئے۔ آپ انتہائی نیک سیرت، بہادر، نڈر اور شفیق انسان تھے۔ 1974ء کے حالات میں آپ نے بہت بہادری سے مخالفین کا مقابلہ کیا۔ ساری زندگی کسی نہ کسی رنگ میں جماعت کی خدمت کی توفیق پائی۔ خلافت سے آخر دم تک محبت اور اخلاص کا تعلق رکھا۔ بچوں کی بہت احسن رنگ میں تربیت کی۔ مرحوم موصی تھے۔ پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ دو بیٹیاں اور دو بیٹے یادگار چھوڑے ہیں۔ آپ کے ایک بیٹے مکرم مجید احمد بھٹی صاحب یہاں وانڈزورتھ جماعت کے صدر کی حیثیت سے خدمت کی توفیق پارہے ہیں۔

مکرم ملک سلیم لطیف صاحب ایڈووکیٹ

ننکانہ صاحب راہ مولیٰ میں قربان ہوگئے

مکرم ملک سلیم لطیف صاحب ایڈووکیٹ صدر جماعت ننکانہ صاحب ابن مکرم ملک محمد شفیع صاحب مورخہ 30 مارچ 2017ء کو ایک مخالف کی فائرنگ سے 70 سال کی عمر میں راہ مولیٰ میں قربان ہوگئے۔ آپ کی نماز جنازہ ساہیوال شہر میں محترم مبشر احمد کاہلوں صاحب ناظر دعوت الی اللہ نے پڑھائی۔ مرحوم کی خواہش پر ساہیوال میں ہی آپ کی تدفین ہوئی۔ آپ اپنے بیٹے مکرم محمد فرحان صاحب ایڈووکیٹ کے ہمراہ صبح 9 بجے کورٹ جانے کیلئے موٹر سائیکل پر روانہ ہوئے۔ چوک بازار بیری والا کے قریب ایک شخص نے ان کو رکنے کا اشارہ کیا۔ اوراسی دوران اپنی بندوق سے فائر کیا جو شہید مرحوم کے دائیں جانب پسلی میں لگا اور دوبارہ پُشت پر فائر کیا۔ شہید مرحوم موٹر سائیکل سے گر گئے۔ اس دوران حملہ آور نے بیٹے پر بھی فائر کیا جو بیٹے کو نہ لگا۔ اس کے بعد بھی مسلسل فائرنگ کی کوشش کرتا رہا اور پھر فرار ہوگیا۔ آپ موقع پر ہی راہ مولیٰ میں قربان ہوگئے۔

مرحوم کے خاندان میں احمدیت کا نفوذ ان کے والد کے دو ماموں حضرت حافظ نبی بخش صاحب اور حضرت جمال دین صاحب رفقاء حضرت مسیح موعود کے ذریعہ سے ہوا تھا۔ ان کا تعلق چک سعداللہ نزد قادیان سے تھا۔ مرحوم کے والد پارٹیشن سے قبل ہی ننکانہ صاحب آباد ہو گئے۔ آپ 1948ء میں ننکانہ صاحب میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ننکانہ صاحب میں حاصل کی اور لاہور سے ایل ایل بی کرنے کے بعد 1967ء سے بحثییت وکیل پریکٹس کا آغاز کیا۔ شہید کے والد صاحب پارٹیشن کے وقت تحصیلدار کے ریڈر تھے۔ انہوں نے پارٹیشن کے بعد متعدد احمدی خاندانوں کو ننکانہ میں آباد کیا۔ ننکانہ کا ایک علاقہ احمدیوں سے آباد کیا جس کا نام کوچہ احمدیہ رکھا ہوا تھا۔ 1974ء میں جب جماعت کے خلاف وہاں قانون پاس ہوا تو مخالفین کے دباو پر اس کوچہ احمدیہ کا نام تبدیل کر کے قذافی سٹریٹ رکھ دیا گیا۔ شہید مرحوم نے پسماندگان میں دو بیٹے مکرم ملک محمد اویس صاحب سول جج لاہور، مکرم محمد فرحان صاحب ایڈووکیٹ قائد مجلس خدام الاحمدیہ ننکانہ صاحب اور ایک بیٹی مکرمہ ڈاکٹر ثمرہ وقار صاحبہ لاہور، تین بھائی اور تین بہنیں سوگوار چھوڑی ہیں۔ مرحوم کے والد صاحب اور ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی والدہ کی آپس میں رشتہ داری بھی تھی۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ 31 مارچ 2017ء میں آپ کا ذکر خیر فرمایا اور بعد نماز جمعہ آپ کی نماز جنازہ غائب پڑھائی۔ حضور انور نے فرمایا:

"شہید مرحوم کو 1977ء سے تا دم شہادت سوائے تین سال کے بحثییت صدر جماعت ننکانہ صاحب خدمت کی توفیق ملی۔ مرحوم بیشمار خوبیوں کے مالک تھے۔ ملنساری اور مہمان نوازی اور خصوصاً مرکزی مہمانوں کی خدمت کے علاوہ غریبوں سے ہمدردی کا وصف نمایاں تھا۔ ہمیشہ ہر ایک کی مدد کو تیار رہتے۔ نمازوں کے پابند اور خلافت سے والہانہ لگاو تھا۔ نڈر اور دلیر انسان تھے۔ احباب جماعت کے ہمراہ انہیں بھی شدید مخالفانہ حالات کا سامنا رہا۔ 1989ء میں بیشتر احمدی گھرانوں کو مخالفین نے جلادیا اور لوٹ لیا جس میں شہید مرحوم کا گھر بھی شامل تھا۔ ان تمام مخالفانہ حالات کے باوجود آپ ہمیشہ ثابت قدم رہے اور مخالفین کا مردانہ وار مقابلہ کرتے رہے۔ 2010ء میں مقامی احمدیہ (بیت الذکر) کی تعمیر میں ان کو بھرپور خدمت کی توفیق ملی۔ شہید مرحوم کی اہلیہ محترمہ کو بھی لمبا عرصہ صدر لجنہ کی توفیق ملی۔ چند سال پہلے ان کی وفات ہوگئی تھی۔ شہید مرحوم کے سسر ملک محمد دین صاحب مرحوم تھے جو معروف جماعتی مقدمہ ساہیوال میں نامزد تھے اور اسیری کے دوران ہی جیل میں وفات پا گئے تھے۔"

اللہ تعالیٰ شہید کے درجات بلند کرے اور ان کی اولاد کو بھی ان کے نقش قدم پر چلائے۔ نیکیوں میں آگے بڑھاتا چلا جائے اور مخالفین احمدیت اور دشمنان کے بھی جلد پکڑ کے سامان پیدا فرمائے۔

عزیزم منصور احمد صاحب

عزیزم منصور احمد ابن مکرم منظور احمد صاحب طالب علم جماعت پنجم نصرت جہاں اکیڈمی ربوہ مورخہ 6 فروری 2017ء کو چند روز خناق کی بیماری میں مبتلا رہ کر بعمر 11 سال بقضائے الٰہی وفات پا گیا۔ منصور احمد وقف نو کی بابرکت تحریک میں شامل تھا۔ 2012ء میں نصرت جہاں اکیڈمی میں داخل ہوا۔ عزیزم ایک ہونہار، لائق، خاموش طبع اور اطاعت گزار بچہ تھا۔ اساتذہ کے ساتھ نہایت ادب سے پیش آتا۔ ہر وقت دھیمی مسکراہٹ اس کے چہرے پر بکھری رہتی۔ صاف ستھرا اور اجلی لباس پہنتا اور دھیمے لہجے میں بات کیا کرتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی شان میں حضرت مسیح موعود کا عربی قصیدہ حفظ کر رکھا تھا اور ہر سال مکمل قصیدہ سنا کر اسناد اور میڈل حاصل کرتا رہا۔ عزیزم ایک بہت خوش خط طالب علم بھی تھا اور ہوم ورک کرنے کے لحاظ سے بھی ایک مثالی بچہ تھا۔

اللہ تعالیٰ تمام مرحومین سے مغفرت کا سلوک فرمائے اور انہیں اپنی رضا کی جنتوں میں جگہ دے۔ اللہ تعالیٰ ان کے لواحقین کو صبر کرنے اور ان کی خوبیوں کو زندہ رکھنے کی توفیق دے۔ آمین

☆☆☆☆☆☆☆